م المدارس (اہل سنت) پاکستان کے درجہ عالیہ (بی اے)
کے تیسرے پرچہ (فقہ) میں کامیابی کی ضمانت
خلاصۃ الہدایہ
(مع دستور المفتی)
مولانا محمد صدیق ہزاروی
ملنے کا پتہ:
مکتبہ تنظیم المدارس (اہل سنت) پاکستان
جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری دروازہ لاہور

تنظیم المدارس (اہلِ سنّت) پاکستان کے درجہ عالیہ (بی اے)
کے تیسرے پرچہ (فقہ) میں کامیابی کی ضمانت

خُلاصۃ الہدایہ

(مع رسمِ المفتی)

مولانا محمد صدیق ہزاروی

مکتبہ تنظیم المدارس (اہلِ سنّت) پاکستان
جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری دروازہ لاہور

نام کتاب .... خلاصة الهدايه

نام مصنف .... محمد صدیق ہزاروی

کتابت .... ایم یو کمپوزنگ سنٹر ہجویری

.... مارکیٹ ۱۱۵ میکلوڈ روڈ لاہور

پروف ریڈنگ .... مولانا محمد اسلام سعیدی

.... مولانا محبوب احمد چشتی

طباعت .... جمادی الاخری ۱۴۱۵ھ۔ نومبر ۱۹۹۴ء

ہدیہ .... ۴۲/= روپے

ملنے کا پتہ

○ مکتبہ تنظیم المدارس (اہل سنت) پاکستان

جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری دروازہ لاہور فون ۷۶۵۷۸۳۲

○ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور فون ۷۶۵۷۳۱۳

فہرست مضامین

ابتدائیہ

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دینی مدارس کے نصاب تعلیم "درس نظامی" کا مقصد طلباء کے ہاتھوں میں ڈگریاں تھمانا لور سرکاری ملازمتوں کی بھیک مانگنے کی تربیت دینا نہیں بلکہ ایسے علماء پیدا کرنا ہے جو قرآن و سنت کی بصیرت کے حامل ہوں لور اسلام کے خلاف اٹھنے والے نت نئے فتنوں کا مقابلہ کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہوں۔

لیکن بوجوہ کچھ عرصہ سے مدارس دینیہ کے طلباء بھی سندات کے حصول لور نوکریوں کے چکر میں پھنس کر رہ گئے ہیں۔ (الاماشاء اللہ) جس کے نتیجے میں علمی قابلیت پیدا کرنے کی بجائے محض امتحان پاس کرنے لور سندات حاصل کرنے ہی کو مقصد تعلیم و تعلم سمجھ لیا گیا ہے۔

طلباء کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بعض عاقبت نااندیش حضرات نے تنظیم المدارس کا نصاب پڑھانے کی بجائے طلباء کو خلاصہ جات کے ذریعے امتحانات میں کامیاب کرانے کی یقین دہانی کرا کے جہالت کے اندھیرے کنویں میں پھینکنے کی راہ اختیار کر لی ہے۔

لوھر اس حقیقت کو بھی رد نہیں کیا جاسکتا کہ طالب علم جب نصاب کی بھاری بھرکم کتب کو دیکھتا ہے تو امتحان کی تیاری سے اس کا جی اکتانے لگتا ہے۔

وہ سمجھ نہیں پاتا کہ کتاب کے کونسے حصے کو پڑھے اور کس حصے کو چھوڑ دے

لہٰذا مجبوراً طالب علم کو ان خلاصہ جات کا سہارا لینا پڑتا ہے جو شاید امتحان میں کامیابی کی ضمانت تو دے دیں لیکن ان میں وسیع علم تو درکنار کسی فن کے بارے میں ابتدائی معلومات تک نہیں ہوتیں۔

ان حالات میں ضروری سمجھا گیا کہ طلباء کو امتحان کی تیاری کے لئے ایسا مواد دیا جائے جس کو پڑھنے کے بعد وہ امتحان میں کامیابی بھی حاصل کر سکیں اور علم کی دولت سے بھی مالامال ہو سکیں۔ اس مقصد کے پیش نظر راقم نے جب گزشتہ سال (۱۹۹۳ء میں) درجہ عالیہ کے طلباء سید فضل حکم شاہ شیرازی (مانسہرہ) سید شبیر حسین نقوی (مظفر آباد) حافظ محمد ظہیر بٹ (لاہور) حافظ محمد صدیق (لودھراں) حافظ محمد نوید (گجرات) حافظ غلام محمد تونسوی (ڈیرہ غازی خان) حافظ محمد ریاض سیالوی (نارووال) حافظ محمد امین (بھلوتنگ) ضیاء الرسول صابری (شیخوپورہ) محمد مشتاق (نارووال) عبدالرزاق (بھلوتنگ) محمد ریاض قصوری (قصور) غلام فاروق حبیبی (بلوچستان) کو ہدایہ رابع پڑھانے کی ذمہ داری سنبھالی تو الحمدللہ اصل کتاب کو پڑھانے کے ساتھ ساتھ انہیں ہر باب کا خلاصہ بھی لکھا دیا تاکہ وہ امتحان کی تیاری میں کوئی دقت محسوس نہ کریں۔

چونکہ یہ تجربہ کامیاب رہا لہٰذا مناسب سمجھا گیا کہ اس تحریر کو شائع کر کے دیگر مدارس کے طلباء کو بھی استفادہ کا موقعہ فراہم کیا جائے۔ لیکن محض نصابی ابواب کے خلاصہ پر اکتفا کرنے کی بجائے اس میں فقہ سے متعلق چند ضروری امور، ہدایہ اور صاحب ہدایہ کا تعارف اور رسم مفتی سے متعلق چند اہم باتوں کو بھی شامل کر لیا گیا تاکہ اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ مفید بنایا جائے۔

دنیائے علم و ادب کی معروف شخصیت شیخ الحدیث علامہ محمد عبدالحکیم شرف نقشبندی قادری مدظلہ نے مفید مشوروں سے نوازا جبکہ عزیزم مولانا

محمد اسلام سعیدی اور مولانا محبوب احمد چشتی نے پروف ریڈنگ کے ذریعے تعاون فرمایا۔ جس کے لئے راقم الحروف ان تمام کرم فرماؤں کا شکرگزار ہے۔

آخر میں طلباء کرام سے یہ اپیل بھی ضروری ہے کہ اس کتاب کو صرف امتحان کی تیاری اور معلومات عامہ کے حصول تک محدود رکھیں اصل کتاب کو پڑھنے کی طرف توجہ دیں اور اس سلسلے میں کسی قسم کی کوتاہی روا نہ رکھیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں علم نافع اور عمل صالح کی دولت سے مالامال فرمائے۔

آمین ثم آمین

محمد صدیق ہزاروی

جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ کیم نومبر ۱۹۹۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فقہ اسلامی

علم فقہ کی تعریف

لغوی اعتبار سے فقہ کسی چیز کو جاننے اور معلوم کرنے کا نام ہے۔

اصطلاح فقہاء میں اس کی تعریف یوں ہے۔

العلم بالاحکام الشرعیۃ الفرعیۃ المکتسب من ادلتھا التفصیلیۃ ان احکام شرعیہ فرعیہ کا جاننا جو اپنے تفصیلی دلائل (قرآن سنت اجماع اور قیاس) سے اخذ کئے گئے ہوں۔

(الدر المختار، جلد ۱ ص ۵)

علم فقہ کا موضوع

اس علم میں مکلف (عاقل و بالغ) مسلمان کے فعل یعنی فرض، واجب حلال، حرام، مستحب اور مکروہ وغیرہ سے بحث کی جاتی ہے۔

ماخذ فقہ

فقہ کے چار ماخذ ہیں قرآن، سنت، اجماع اور قیاس۔

علم فقہ کی غایت

اس علم کے حصول کا مقصد دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور ہونا ہے یعنی انسان دنیا میں خود بھی جہالت کی گھاٹیوں سے نکل کر علم نافع کے اعلیٰ مرتبہ کو پہنچ جائے۔ خود بھی احکام الٰہیہ پر عمل پیرا ہو اور دوسروں کو بھی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تعلیم دے کر آخرت میں جنتی نعمتوں سے مالامال ہو جائے۔ (مفید المفتی۔ فقہ اسلامی صفحہ ۱۱)

علم فقہ کی فضیلت

علم فقہ کی اہمیت و فضیلت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے اس کے حصول کے بعد انسان نہ صرف اپنی انفرادی زندگی بلکہ معاشرتی اور اجتماعی زندگی میں بھرپور کردار ادا کرنے کے قابل ہو جاتا ہے جب تک وہ علم فقہ سے بہرہ ور نہیں ہوتا، حقوق اللہ اور حقوق العباد سے لاعلم رہتا ہے اور جہالت کی وادیوں میں بھٹکتا رہتا ہے لہٰذا وہ حقوق کی ادائیگی کرنا چاہے بھی تو معلومات نہ ہونے کی بنیاد پر خود بھٹکنے بلکہ دوسروں کو بھی غلط راستے پر ڈالنے کا خطرہ رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی تبلیغ کے لئے علم فقہ کا حصول لازمی قرار دیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم (سورۃ توبہ آیت ۱۲۲)

تو کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں۔

اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے محض زاہد سے فقیہ کی برتری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

فقیہ اشد علی الشیطان من الف عابد (جامع ترمذی باب العلم صفحہ ۳۸۴) ایک فقیہ شیطان پر ایک ہزار عابد کی نسبت زیادہ سخت ہوتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

تفقھوا قبل ان تسودوا (صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۱۷)

حصول سیادت سے پہلے فقہ (دین کی سمجھ) حاصل کرو۔

جیسا کہ آپ نے گزشتہ سطور سے معلوم کر لیا ہے فقہ کی بنیاد چار چیزوں پر ہے۔ قرآن' سنت' اجماع اور قیاس۔ بعض لوگ قرآن و سنت کو تو مانتے ہیں لیکن اجماع و قیاس کو جن کی بنیاد اجتہاد و استنباط پر ہے تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ گویا ان کے نزدیک قرآن و سنت کی روشنی میں مسائل کا حل پیش کرنے والے فقہاء کرام کی تمام کاوشیں بے کار اور خلاف اسلام ہیں۔ حالانکہ وہ نہیں جانتے کہ قرآنی آیات' احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اقوال صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں غور و فکر کر کے وقتاً" فوقتاً" پیش آنے والے مسائل کا حل تلاش نہ کیا جائے تو امت مسلمہ کس کی طرف رجوع کرے گی۔ کیا ان کے نزدیک عقیدہ ختم نبوت کی کوئی حیثیت نہیں اور وہ نہیں جانتے کہ اب کوئی نیا نبی نہیں آئے گا جو قرآن پاک کی تشریح و توضیح کے ذریعے مسائل کا حل بتائے۔ بلکہ یہ فریضہ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرہ ور علماء کو سونپا گیا ہے اور یہ امت مسلمہ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے۔

مذاہب اربعہ

اجتہاد کا سلسلہ دور رسالت ہی میں شروع ہو چکا تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مسرت کا اظہار بھی فرمایا تھا۔ صحابہ کرام قرآن و سنت کی روشنی میں پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کرتے تھے۔ تابعین نے بھی اس کام

کو آگے بڑھایا اور یوں مختلف علاقوں میں مجتہدین کرام کی جماعتیں وجود میں آگئیں۔

ان فقہاء و مجتہدین میں سے بعض حضرات کی فقہ مدون ہوئی۔ اس کے لئے اصول و ضوابط بنائے گئے اور اس طرح ان کے فقہی مذاہب جاری ہو گئے۔

لیکن ان فقہی مذاہب میں سے صرف چار مذاہب درجہ شہرت کو پہنچے۔ عالم اسلام میں بسنے والے مسلمانوں نے ان سے رشتہ جوڑا اور ان کی فقہی قیادت کو تسلیم کیا۔ ان چار فقہی مذاہب کے بانی امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت' امام مالک بن انس' امام محمد بن ادریس شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ ہیں جن کی فقہ بالترتیب فقہ حنفی' فقہ مالکی' فقہ شافعی اور فقہ حنبلی کہلاتی ہے۔

تقلید

اہلسنت و جماعت کا ان چار مذاہب فقہ میں سے کسی ایک کے ساتھ تعلق ضروری ہے اور اس تعلق کو تقلید کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

علامہ سید احمد طحطاوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

بعض مفسرین نے ارشاد باری تعالیٰ **واعتصموا بحبل اللہ جمیعا" ولاتفرقوا** کی تفسیر میں لکھا ہے کہ "حبل اللہ" (اللہ کی رسی) سے (جماعت) مراد ہے کیونکہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے **"لاتفرقوا"** (اور الگ الگ نہ ہو جاؤ) ارشاد فرمایا۔ اہل علم کے نزدیک جماعت سے فقیہ اور علماء مراد ہیں جو شخص ان لوگوں سے ایک بالشت بھی جدا ہوا وہ گمراہی میں پڑ گیا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم ہوا اور جہنم کا مستحق ہوا کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم، خلفاء راشدین اور بعد کے لوگوں کا طریقہ وہی لوگ پاسکتے ہیں جو اہل علم و فقہ ہیں۔ پس جو شخص جمہور فقہاء اور سواد اعظم سے الگ ہوا وہ اہل جہنم کے ساتھ مل گیا۔ لہٰذا اے مومنین کی جماعت! تم پر نجات پانے والی جماعت "اہلسنت و جماعت" کی اتباع لازم ہے کیونکہ ان کی موافقت سے ہی اللہ تعالیٰ کی مدد، حفاظت اور توفیق حاصل ہوتی ہے۔ جبکہ ان کی مخالفت، ذلت و رسوائی اور اللہ تعالیٰ کے غضب کا باعث ہے اور آج یہ نجات پانے والی جماعت صرف چار مذاہب میں منحصر ہے یعنی وہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی ہیں۔ جو شخص اس دور میں ان چار مذاہب سے خارج ہے وہ بدعتی، مستحق جہنم ہے۔ (حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار جلد ۴ ص ۱۰۲ - ۱۰۳)

فقہ حنفی

ان چار مذاہب میں سے فقہ حنفی کو جو قبولیت عامہ حاصل ہوئی وہ محتاج تعارف نہیں۔ آج دنیا میں فقہ حنفی سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کی تعداد دیگر مذاہب کے متعلقین سے کہیں زیادہ ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کونسی وجوہات ہیں جن کی بنا پر فقہ حنفی ایک امتیازی شان کی حامل بن گئی۔ اس ضمن میں مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں :

"امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اس صفت میں اپنے تمام ہمعصروں سے ممتاز تھے کہ وہ مذہبی تقدس کے ساتھ ساتھ دنیاوی اغراض کے اندازہ شناس تھے اور تمدن کی ضرورتوں کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ مرجعت اور فصل قضایا (مقدمات کے فیصلوں) کی وجہ سے ہزاروں پیچیدہ معاملات ان کی نگاہ سے گزر چکے تھے۔ ان کی مجلس افتاء بہت بڑی عدالت عالیہ تھی جس نے لاکھوں مقدمات کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ ملکی حیثیت رکھتی تھی اور ارکان سلطنت مہمات امور

میں ان سے مشورہ لیتے تھے۔ ان کے شاگرد اور ہم نشین جن کی تعداد سینکڑوں سے زیادہ تھی عموماً" وہ لوگ تھے جو منصب قضا پر مامور تھے۔ ان باتوں کے ساتھ خود ان کی طبیعت مقننانہ اور معاملہ سنج واقع ہوئی تھی۔ وہ ہر بات کو قانون کی حیثیت سے دیکھتے تھے اور اس کے دقیق نکتوں تک پہنچتے تھے۔ (مولانا شبلی نعمانی۔ سیرت نعمان ص ۱۸۰)

فقہ حنفی کی خصوصیات

علامہ شبلی نعمانی نے فقہ حنفی کی پانچ خصوصیات ذکر کی ہیں :

(۱) عقل کے مطابق ہونا : فقہ حنفی عقل کے مطابق ہے اور یہ فقہ مسائل کے اسرار و مصالح پر مبنی ہے۔ اس سلسلے میں امام طحاوی رحمتہ اللہ علیہ کی شرح معانی الآثار کو سامنے رکھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا مذہب، احادیث اور غور و فکر دونوں کے موافق ہے۔

(۲) آسان ہونا : فقہ حنفی آسان فقہ ہے۔ قرآن پاک میں متعدد جگہ آیا ہے کہ "خدا تم لوگوں پر آسانی چاہتا ہے تنگی نہیں چاہتا۔" (سورۃ البقرہ آیت ۱۸۵)

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں سیدھے اور آسان دین کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۱۶) یہ آسانی دین اسلام کا طرہ امتیاز ہے اور امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی فقہ میں بھی یہی بات پیش نظر رکھی گئی ہے۔ اس سلسلے میں بے شمار مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ یہاں صرف ایک مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ مثلاً چوری کے ایک نصاب یعنی ایک اشرفی میں متعدد چور مشترک ہوں تو امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ جبکہ امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک ہر

ایک کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

(۳) قواعد معاملات کی وسعت : فقہ حنفی کے قواعد معاملات وسیع تمدن کے موافق ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک معاملات کے احکام ایسے ابتدائی حالات میں تھے یک۔ تمدن و تہذیب یافتہ ملک کے لئے بالکل ناکافی تھے۔ نہ معاہدات کے استحکام کے قواعد منضبط تھے' نہ دستاویزات وغیرہ کی تحریر کا اصول قائم ہوا تھا اور نہ مقدمات کے فیصلوں اور ادائے شہادت کا کوئی باقاعدہ طریقہ تھا' امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ پہلے شخص ہیں جو ان چیزوں کو قانون کی صورت میں لائے۔

(۴) ذمیوں کے حقوق : وہ غیر مسلم جو مسلمانوں کے ملک میں ان کے تابع بن کر رہتے ہیں ذمی کہلاتے ہیں۔ اسلام نے جس طرح مسلمان رعایا کو حقوق عطا کئے ہیں اسی طرح ذمیوں کی حفاظت اور ان کے حقوق کی ادائیگی کا بھی اعلان کیا ہے۔ امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے اسلامی تعلیمات کے مطابق اپنی فقہ میں ذمیوں کو جو حقوق دیئے ہیں دنیا کی کسی حکومت نے غیر قوم کو وہ حقوق نہیں دیئے۔ فقہ حنفی کے مطابق ذمیوں کے حقوق محض زبانی دعوئی نہیں بلکہ یہ عملاً نافذ رہے ہیں۔ بالخصوص ہارون الرشید کی وسیع حکومت انہی احکام کی پابند تھی۔ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک ذمیوں کا خون مسلمانوں کے خون کے برابر ہے۔

(۵) نصوص شرعیہ سے مطابقت : ویسے تو ہر امام کی فقہ' نصوص شرعیہ یعنی قرآن و سنت سے ثابت ہے لیکن امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کا اجتہاد و استنباط دوسرے آئمہ کی نسبت زیادہ قوی اور مدلل ہے مثلاً امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ کا مذہب ہے کہ نماز کے دوران مقیم کو پانی مل جائے تو تیمم ٹوٹ جائے گا

امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہم اس کے خلاف ہیں۔ امام اعظم کا استدلال یہ ہے کہ قرآن پاک میں تیمم کا جواز " **فلم تجدوا ماء** " (پانی نہ پاؤ) کی شرط سے مشروط ہے۔ جب شرط نہ رہی تو مشروط بھی باقی نہ رہا۔ اس طرح کی بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں لیکن یہ مختصر مضمون ان کا متحمل نہیں ہو سکتا تفصیل کے لئے دیگر کتب کی طرف رجوع کیا جائے۔
(سیرت نعمان صفحہ ۱۸۰ - ۱۸۲)

شاہ ولی اللہ اور فقہ حنفی

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ ہندوستان کے بے علم لوگوں پر امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ کی تقلید ضروری سمجھتے ہیں فرماتے ہیں :

" جب جاہل آدمی ہندوستان کے ممالک اور ماوراالنہر کے شہروں میں ہو اور کوئی عالم شافعی' مالکی اور حنبلی وہاں نہ ہو اور نہ ان مذاہب کی کوئی کتاب ہو تو اس پر واجب ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی تقلید کرے اور امام اعظم کے مذہب سے باہر نکلنا اس پر حرام ہے کیونکہ اس صورت میں شریعت کی رسی اپنی گردن سے نکال کر مہمل بیکار رہ جائے گا۔ (الانصاف مع اردو ترجمہ کشاف ص ۷۰ - ۷۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رسم مفتی .... چند اہم اور بنیادی امور

شرعی مسائل سے متعلق کسی ماہر شریعت کے فیصلے کو **الفتویٰ، الفتوی اور الفتیا** کہا جاتا ہے۔ البتہ معروف اور مستعمل لفظ فتویٰ ہے جس کی جمع فتاویٰ آتی ہے۔

شرعی مسئلہ دریافت کرنے والے کو **مستفتی** اور مسئلہ بتانے والے کو مفتی کہا جاتا ہے۔ مسئلہ معلوم کرنا استفتاء اور اس کا جواب افتاء کہلاتا ہے۔ قرآن پاک میں یہ دونوں لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے :

ویستفتونک فی النساء اور وہ آپ سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ (شرعی حکم) پوچھتے ہیں۔ (سورۃ النساء آیت ۱۲۷)

اور فرمایا :

قل اللہ یفتیکم فیھن آپ فرما دیجئے اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فتویٰ دیتا (حکم بتاتا) ہے۔ (ایضاً)

فتویٰ کی اقسام

فتویٰ کی دو قسمیں ہیں۔ اس سلسلے میں حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

"فتویٰ کی دو قسمیں ہیں عرفی اور حقیقی، حقیقی یہ ہے کہ تفصیلی دلیل کی معرفت کے بعد فتویٰ دیا جائے یہی وہ لوگ ہیں جن کو اصحاب فتویٰ کہا جاتا ہے (جیسے) کہا جاتا ہے "یہی فتویٰ دیا ہے فقیہ ابو جعفر اور فقیہ ابواللیث اور ان جیسے دوسرے حضرات نے۔"

اور عرفی فتویٰ یہ ہے کہ (کوئی) عالم لوگوں کو امام کے اقوال بتائے وہ دلیل کو نہ جانتا ہو محض تقلید کے طور پر ایسا کرے جیسے کہا جاتا ہے فتاویٰ ابن نجیم، غزی، طوری اور فتاویٰ خیریہ وغیرہ اور بعد کے زمانے میں فتاویٰ رضویہ ہے اللہ تعالیٰ اسے پسندیدہ اور راضی کرنے والا بنائے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد اول ص ۱۰۹ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

دور حاضر کے فتاویٰ

حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تحریر سے واضح ہوتا ہے کہ دور حاضر کے فتاویٰ کو حقیقتاً فتاویٰ نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح آج کے دور میں فتویٰ دینے والے علماء کرام پر مفتی کا اطلاق عرفاً" ہوتا ہے حقیقتاً نہیں۔ حضرت شیخ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی بات فرماتے ہیں وہ لکھتے ہیں "اس سے ظاہر ہو گیا کہ ہمارے زمانہ میں جن موجودہ لوگوں کا فتویٰ ہوتا ہے وہ درحقیقت فتویٰ نہیں ہے بلکہ کسی مفتی (مجتہد) کا کلام نقل کر دیا جاتا ہے کہ مستفتی اسے اختیار کرے۔ (فتح القدیر جلد ۱ ص ۴)

نقل فتویٰ کی صورتیں

کسی مفتی کے قول کو نقل کرنے کی کیا صورت ہو گی ؟ اس سلسلے میں حضرت شیخ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ایسے مجتہد (حقیقی مفتی) سے نقل لانا بھی دو طرح کا ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ اس ناقل مفتی سے مجتہد تک

کوئی مسلسل سند ہو۔ دوسرا یہ کہ یہ کسی معروف کتاب سے نقل کرے جو
مجتہد سے اس وقت تک ہاتھوں ہاتھ چلی آرہی ہے ...... البتہ اگر نوادر (کتب)
سے کوئی نقل، مشہور و متداول مثلاً ہدایہ اور مبسوط میں پائی جائے تو اس پر نو
اس وجہ سے اعتماد ہو گا کہ جس کتاب میں یہ بات منقول ہے وہ معروف و
متداول ہے۔ (ایضاً)

راجح قول پر فتویٰ

مفتی مجتہد ہو یا مقلد (ناقل) اس پر واجب ہے کہ وہ راجح قول پر عمل
کرے اور اسی پر فتویٰ دے۔ علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے
ہیں۔

ان الواجب علی من اراد ان یعمل لنفسه اویفتی غیره ان یتبع القول الذی رجحه علماء مذهبه (رسائل ابن عابدین ص ۴)

"جو شخص عمل کرنا چاہے یا دوسرے کو فتویٰ دے اس پر واجب ہے کہ
وہ اس قول کو اپنائے جسے اس کے مذہب کے علماء نے ترجیح دی ہو۔" بنابریں
مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ طبقات فقہا سے آگاہ ہو تاکہ اسے دو با
مخالف قول کرنے والوں میں تمیز کرنے کی بصیرت اور دو متعارض قوتوں میں سے
ایک کو ترجیح دینے کی طاقت حاصل ہو جائے۔

طبقات فقہاء

فقہاء کرام کے چھ طبقات ہیں۔

(۱) مجتہد فی الشرع : یہ وہ فقہاء کرام ہیں جو قواعد و اصول بناتے اور
ادلہ اربعہ سے احکام کا استنباط کرتے ہیں۔ یہ اصول و فروع میں کسی کے مقلد

نہیں ہوتے جیسے چاروں مسالک فقہ کے ائمہ کرام حضرت امام ابو حنیفہ، امام
شافعی، امام مالک، اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ۔

(۲) مجتہد فی المذہب : یہ فقہا کرام ان مذکورہ بالا حضرات کے بنائے
ہوئے قواعد کے مطابق ادلہ اربعہ سے احکام کا استنباط واستخراج کرتے ہیں۔ جیسے
حضرت امام ابویوسف اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ یہ حضرات اصول میں مقلد
ہیں۔

(۳) مجتہد فی المسائل : وہ مجتہدین جنہیں کسی صاحب مذہب سے
روایت نہ ملے تو خود مسائل کا استنباط کرتے ہیں لیکن اصول فروع میں مقلد
ہوتے ہیں جیسے امام خصاف، امام ابو جعفر طحاوی، امام ابوالحسن کرخی، شمس الائمہ
حلوانی، شمس الائمہ سرخسی، فخرالاسلام بزدوی اور فخرالدین قاضی رحمۃ اللہ علیہم۔

(۴) اصحاب التخریج : یہ لوگ اجتہاد بالکل نہیں کر سکتے البتہ کسی مجمل
قول کی وضاحت کر سکتے ہیں اور جہاں صاحب مذہب سے منقول روایت میں دو
باتوں کا احتمال ہو وہاں فیصلہ کرتے ہیں۔ جیسے امام ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۵) اصحاب الترجیح : یہ حضرات "ہذا اولیٰ" یا "ہذا اصح" وغیرہ الفاظ
کے ساتھ بعض روایات کو دوسری بعض پر فضیلت دیتے ہیں جیسے امام قدوری
اور صاحب ہدایہ وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم۔

(۶) مقلدین : وہ مقلدین جو اقویٰ اور قوی کے درمیان اسی طرح
ضعیف اور قوی کے درمیان پھر ظاہر مذہب اور روایت نادرہ کے درمیان تمیز کر
سکتے ہیں جیسے فقہ کی معتبر کتب متون کے مصنفین مثلاً صاحب کنزالدقائق
وغیرہ۔

اس کے بعد وہ عام مقلدین ہیں جو ان مذکورہ بالا امور میں سے کسی کی بھی طاقت نہیں رکھتے۔

کتب فتاویٰ

مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ کتب فتاویٰ اور ان کی ترتیب سے متعلق علامہ شامی رحمتہ اللہ علیہ کی اس تحریر سے آگاہ ہو آپ فرماتے ہیں۔ ہمارے حنفی اصحاب نے مسائل کو تین طبقات میں تقسیم کیا ہے :

(۱) مسائل اصول : ان کو ظاہر الروایت بھی کہا جاتا ہے۔ یہ وہ مسائل ہیں جو اصحاب مذہب یعنی حضرت امام ابوحنیفہ' امام ابویوسف اور امام محمد رحمتہ اللہ علیہم سے منقول ہیں اور یہ مسائل حضرت امام محمد رحمتہ اللہ علیہ کی درجہ ذیل چھ کتب میں پائے جاتے ہیں۔

(۱) مبسوط (۲) زیادات (۳) جامع صغیر (۴) جامع کبیر (۵) سیر صغیر (۶) سیر کبیر۔ ان کو ظاہر الروایہ اس لئے کہتے ہیں کہ انہیں حضرت امام محمد رحمتہ اللہ علیہ سے ثقہ لوگوں نے روایت کیا ہے اور یہ حد تواتر یا حد شہرت کو پہنچی ہوئی ہیں۔

علامہ شامی فرماتے ہیں :

جو مسائل ان کتب میں مروی ہیں وہ حضرت امام محمد رحمتہ اللہ علیہ سے ظاہر الروایت کے طور پر منقول ہیں۔ مفتی کو ان کے مطابق فتویٰ دینا چاہیے۔ اگر ان مسائل کی صراحتاً" تصحیح نہ کی گئی ہو یا فقہاء کرام کسی ایسے مسئلہ کو صحیح قرار دیں جو ظاہر الروایت کتب کے علاوہ کتابوں میں مذکور ہو تو اس مسئلہ کو اختیار کریں۔

(۲) مسائل النوادر : یہ مسائل بھی ان اصحاب مذہب مجتہدین سے

مروی ہیں لیکن ان مذکورہ بالا کتب میں نہیں بلکہ دوسری کتب میں پائے جاتے ہوں چاہے وہ کتب حضرت امام محمد رحمتہ اللہ علیہ کی تصانیف ہوں جیسے کیسانیات' ہارونیات' جرجانیات اور رقیات وغیرہ۔ یا دوسرے حضرات کی کتب میں ہوں جیسے حضرت امام حسن بن زیاد رحمہ اللہ کی کتاب "المجرد"

(۳) فتاویٰ و واقعات : یہ وہ مسائل ہیں کہ متاخرین مجتہدین نے ان کا استنباط کیا یعنی جب ان سے مسائل پوچھے گئے اور انہوں نے متقدمین اہل مذہب سے کوئی روایت نہ پائی تو اجتہاد کیا۔ یہ حضرات' حضرت امام ابویوسف اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ کے شاگرد یا ان کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ جیسے ابواللیث سمرقندی رحمتہ اللہ علیہ ان کا فتاویٰ کتاب النوازل ہے۔

فتویٰ میں ترتیب اقوال

اگر کسی مسئلہ میں حضرت امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ اور دیگر حنفی آئمہ کے اقوال مختلف ہوں تو کس قول پر فتویٰ دیا جائے گا ؟ اس سلسلے میں علامہ شامی نے "فتاویٰ سراجیہ" سے نقل کیا ہے کہ مطلقاً فتویٰ حضرت امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے قول پر ہو گا اس کی تفصیل میں وہ یوں ذکر کرتے ہیں :

ثم الفتوى على الاطلاق على قول ابى حنيفة ثم قول ابى يوسف ثم قول محمد ثم قول زفر و الحسن بن زياد وقيل اذا كان ابوحنيفة فى جانب وصاحباه فى جانب فالمفتى بالخيار والاول اصح اذالم يكن المفتى مجتهدا"

(رسائل ابن عابدین ص ۳۶)

پھر فتویٰ مطلقاً حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے قول پر ہو گا اس کے بعد حضرت امام ابویوسف پھر حضرت امام محمد اور اس کے بعد حضرت امام زفر

اور حضرت حسن ابن زیاد رحمتہ اللہ علیہم کے قول پر ..... کہا گیا ہے کہ جب حضرت امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ ایک طرف ہوں اور صاحبین دوسری طرف تو مفتی کو اختیار ہے لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے جب کہ مفتی مجتہد ہو۔

اور اگر کسی مسئلے میں امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی روایت نہ ملے تو حضرت امام ابویوسف رحمتہ اللہ علیہ کے ظاہر قول اور اس کے بعد حضرت امام محمد رحمتہ اللہ علیہ کے ظاہر قول اور پھر حضرت امام زفر اور امام حسن رحمتہ اللہ علیہما کے ظاہر قول پر فتویٰ دیا جائے گا (ایضاً)

امام ابوحنیفہ کے قول پر عمل کی صورت

جیسے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مفتی دو قسم کے ہیں ایک حقیقی مفتی اور دوسرے وہ مفتیان کرام جن پر عرفاً" مفتی کا اطلاق ہوتا ہے۔ حضرت امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے قول پر ان دونوں کے عمل اور فتویٰ کا طریق کار مختلف ہے اس سلسلے میں حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمتہ اللہ علیہ فتاویٰ ظہیریہ سے یوں نقل کرتے ہیں۔

" حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ ہمارے قول پر فتویٰ دے جب تک اسے یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس کی دلیل کیا ہے اور اگر وہ اہل اجتہاد سے نہ ہو تو وہ صرف بطریق حکایت فتویٰ دے سکتا ہے۔

اس مسئلے پر حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ "اجلی الاعلام" میں نہایت معقول و مدلل بحث فرمائی ہے یہ رسالہ فتاویٰ رضویہ جلد اول (طبع جدید از رضا فاؤنڈیشن اندرون لوہاری دروازہ لاہور میں شامل ہے۔ ہزاروی)

مفتی کے لئے شرائط

حضرت صدر الشریعۃ مولانا امجد علی اعظمی رحمتہ اللہ علیہ نے بہار شریعت میں افتاء کے مسائل کے عنوان سے مختلف کتب فقہ کے حوالے سے مفتی کے لئے کچھ شرائط کا ذکر کیا ہے ان شرائط کا ایک اجمالی خاکہ درج ذیل ہے۔

- مفتی ناقل، مفتی مجتہد کے قول کو مشہور و متداول کتب سے لفظ
- فاسق سے فتویٰ پوچھنا ناجائز ہے اور نہ اس کے جواب پر اعتماد کیا
- مفتی بیدار مغز ہو تاکہ لوگوں کو حیلہ سازی سے محفوظ رکھے۔
- مفتی پر لازم ہے کہ سائل (مستفتی) کے واقعہ کی تحقیق کرے اور نزاعی صورت میں فریقین کو طلب کرے۔
- مفتی اگرچہ تحریری سوال کا تحریری جواب دے گا پھر بھی اس کی قوت سماعت صحیح ہونی چاہیے۔
- اگرچہ امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کا قول مقدم ہے لیکن جہاں اصحاب فتویٰ اور اصحاب ترجیح نے کسی دوسرے قول پر فتویٰ دیا یا اس کو ترجیح دی تو اس کے مطابق فتویٰ دے۔
- مفتی کے لئے ضروری ہے کہ بردبار اور خوش خلق ہو، غلطی ہو جائے تو رجوع کرے نیز غم و غصہ کی حالت میں فتویٰ نہ دے۔

نوٹ: محض طلباء کرام کی راہنمائی کے لئے "رسم مفتی" سے متعلق چند سطور تحریر کر دی ہیں ورنہ اس مسئلہ پر کافی تفصیل کی گنجائش ہے۔ طلباء کرام سے گزارش ہے کہ وہ اس سلسلے میں امام احمد رضا بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کے رسالہ مبارکہ "اجلی الاعلام" علامہ شامی کے "رسائل ابن عابدین" اور فتاویٰ عالمگیری کے مقدمہ کا بالاستیعاب مطالعہ کریں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہدایہ اور صاحب ہدایہ

ہدایہ فقہ حنفی کی کتب متداولہ میں سے ایک اہم اور جامع کتاب ہے
یہی وجہ ہے کہ درس نظامی کے نصاب میں اس کی اہمیت ہمیشہ مسلم رہی ہے

ہدایہ کے مصنف

اس کتاب کے مصنف ابوالحسن علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل مرغینانی ہیں
جو ۸ رجب المرجب ۵۱۱ھ بروز سوموار بعد عصر فرغانہ کے ایک شہر مرغینان میں
پیدا ہوئے۔ یہ شہر ماوراء النہر میں واقع ہے۔ اس کے مشرق میں کاشغر اور
مغرب میں سمرقند جیسے معروف شہر واقع ہیں۔

آپ کا سلسلہ نسب امیرالمومنین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے جا ملتا ہے۔ آپ نے اپنے دور کے جن جلیل القدر علماء کرام سے علم
حاصل کیا ان میں مفتی ثقلین نجم الدین ابو حفص عمر نسفی صدرالشہید حسام
الدین عمر بن عبدالعزیز' ضیاء الدین محمد بن حسین' ابوعثمان عمرو بیکندی (شاگرد
رشید شمس الائمہ سرخسی) قوام الدین احمد بن عبدالرشید بخاری رحمہم اللہ اجمعین
اکابر اہل علم شامل ہیں۔

حتیٰ کہ آپ وقت کے عظیم امام فقہ' حافظ' محدث' مفسر' جامع علوم

ضابط فنون اور زاہد قرار پائے' علم و ادب میں آپ اپنی مثال آپ تھے۔

حضرت امام ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی کی بزرگی اور تقدم کو آپ
کے معاصرین مثلاً امام فخرالدین قاضی خان' محمود بن احمد بن عبدالعزیز (مولف
محیط و ذخیرہ) شیخ زین الدین ابونصر احمد بن محمد بن عمر عتابی اور ظہیرالدین محمد بن
احمد بخاری (مولف فتاویٰ ظہیریہ) نے بھی تسلیم کیا ہے۔ انوار البہیہ کے مصنف
مولانا عبدالحی لکھنوی آپ کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

" کان اماما فقیھا حافظا محدثا مفسرا جامعا" للعلوم ضابطا" للفنون متقنا محققا نظارا مدققا زاھدا ورعا بارعا فاضلا" ماھرا اصولیا ادیبا شاعرا لم تری العیون مثلہ فی العلم والادب

امام مرغینانی ایک بلند پایہ مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ کتب کثیرہ کے
مصنف بھی تھے۔ آپ کی چند تصانیف درج ذیل ہیں۔

ہدایہ' المنتقی' بدایۃ المبتدی' کفایہ المنتھی' التجنیس والمزید' مناسک الحج' نشرالمذہب' مختارات النوازل اور کتاب الفرائض۔

مرغینانی ۵۴۴ ھ میں حج بیت اللہ اور گنبد خضریٰ کی زیارت سے مشرف
ہوئے اور ۵۹۳ھ میں جب آپ سمرقند میں تھے اس دار فانی سے کوچ فرمایا۔
آپ کی تاریخ وفات "مجتہد مسائل" کے الفاظ سے نکلتی ہے۔

ہدایہ اور اس کی خصوصیات

ہدایہ امام علی بن ابی بکر مرغینانی کی ایک اہم تصنیف ہے۔ آپ نے
ذیقعدہ ۵۷۳ھ میں بروز بدھ بعد نماز ظہر اس کتاب کی تصنیف کا آغاز فرمایا اور
تیرہ سال کے عرصہ میں یہ کتاب پایہ تکمیل کو پہنچی۔ اس دوران آپ ہمیشہ
روزے سے رہتے تھے البتہ ممنوع ایام میں روزہ نہیں رکھتے تھے۔ آپ نے

اپنے روزہ پر کسی کو مطلع نہ ہونے دیا چنانچہ آپ کے اس زہد و تقویٰ کے باعث یہ کتاب علماء کے درمیان مقبول ہو گئی۔ ہدایہ کے حیثیت کے بارے میں آپ خود لکھتے ہیں۔

" میں نے **بدایۃ المبتدی** کے آغاز میں وعدہ کیا تھا کہ اس کی ایک شرح لکھوں گا جس کا نام **کفایۃ المنتہی** رکھوں گا۔ جب میں اسے مکمل کرنے کے قریب پہنچا تو محسوس ہوا کہ اس میں کچھ طوالت ہے تو مجھے اس بات کا ڈر محسوس ہوا کہ کہیں اس وجہ سے یہ کتاب متروک نہ ہو جائے لہٰذا میں نے اس کتاب کی دوسری شرح ہدایہ کے نام سے لکھنا شروع کر دی۔"

فرماتے ہیں۔

" میں اس کتاب میں مختار روایات اور مضبوط عقلی دلائل لاؤں گا زوائد سے اجتناب کروں گا لیکن اس کے باوجود یہ کتاب اصول پر مبنی ہو گی جن سے فروع متفرع ہوں گے۔"

کشف الظنون کے مصنف حاجی خلیفہ فرماتے ہیں۔

یہ (ہدایہ) صاحب ہدایہ کے متن بدایہ المبتدی کی شرح ہے لیکن حقیقت میں یہ مختصر القدوری اور امام محمد کی جامع الصغیر کی شرح ہے۔ ان دونوں کتابوں کے مسائل کی شرح فرماتے ہیں جب آپ "قال فی الکتاب" کے الفاظ ذکر کرتے ہیں تو اس سے مراد امام قدوری ہوتے ہیں۔

امام مرغینانی کا طریق کار یہ ہے کہ صاحبین کا موقف اور ان کی دلیل ذکر کرنے کے بعد امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مدعیٰ تحریر کرتے ہیں۔ پھر آپ کی دلیل کو اس شرح و بسط کے ساتھ ذکر کرتے ہیں کہ اس میں صاحبین کی دلیل کا جواب بھی آجاتا ہے اور آپ کی تحریر اس عادت کے خلاف ہو تو اس سے صاحبین کے موقف کی طرف میلان کا پتہ چلتا ہے۔ (**کشف الظنون** جلد

۲، صفحہ ۲۰۳)

صاحب ہدایہ قرآن و حدیث سے دلائل پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے موقف کو عقلی دلائل سے بھی مزین و موکد فرماتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر خلوص نیت سے ہدایہ کا مطالعہ کیا جائے تو فقہ حنفی کو سمجھنے میں دیر نہیں لگتی۔

امام مرغینانی اختلاف ائمہ کے بیان کے بعد جس خوش اسلوبی سے فقہ حنفی کی ترجیح ثابت کرتے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہے۔ علاوہ ازیں آپ انسانی زندگی کی ضروریات کو فقہ اسلامی میں یوں سموتے ہیں کہ قاری داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس سلسلے میں ایک مثال ملاحظہ ہو۔

آپ قبر پر لگی اینٹوں اور لکڑی کے استعمال کی کراہت کا سبب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لانهما لاحكام البناء والقبر موضع البلى "کیونکہ یہ دونوں عمارت کی مضبوطی کے لئے ہیں جبکہ قبر بوسیدہ ہونے کی جگہ ہے۔" یعنی قبر کی نسبت زندہ لوگوں کو ان اشیاء کی زیادہ ضرورت ہے۔

" عقلی دلیل کی ایک عمدہ مثال ملاحظہ کیجئے " مسافر جب مقیم امام کے پیچھے نماز پڑھے تو بعد والی دو رکعتوں میں قرآت نہ کرے جبکہ مسبوق جس سے دو **رکعتیں** نکل چکی ہوں امام کی فراغت کے بعد ادا کی جانے والی دو رکعتوں میں قرآت کرے گا۔ اس سلسلے میں آپ لکھتے ہیں۔

" مقتدی نے امام کے ساتھ دو رکعتوں میں موافقت کا التزام کیا ہے پس باقی نماز میں وہ مسبوق کی طرح ہے لیکن اصح قول کے مطابق وہ قرات نہ کرے کیونکہ وہ بطور تحریمہ امام کا مقتدی ہے نفل کے طور پر نہیں اور فرض قرآت (امام کے ساتھ) ادا ہوئی لہٰذا احتیاطاً" چھوڑ دے جبکہ مسبوق کے نفل

قرآت کو پایا پس فرض قرآت ادا نہیں ہوئی لہٰذا اسے لانا لوٹی ہے۔ (ہدایہ اولین ص ۱۳۷)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہدایہ فقہ اسلامی کی ایک جامع کتاب ہے اور اس کتاب میں مسلمانوں کی راہنمائی کے لئے ایک عظیم علمی خزانہ محفوظ ہے۔ اس کتاب کی مقبولیت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس کی بے شمار شروح لکھی گئیں تفصیل کے لئے کشف الظنون جلد دوم ملاحظہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے مصنف کو اس بیش قیمت علمی کاوش پر اجر عظیم عطا فرمائے اور امت مسلمہ کو اس سے استفادہ کی توفیق نصیب فرمائے آمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شفعہ کا بیان

شفعہ کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ

شفعہ کا لغوی معنیٰ الضم (ملانا) ہے اور شریعت کی اصطلاح میں شرکت یا پڑوس کی بنیاد پر کسی زمین کا اتنی قیمت کے ساتھ مالک بننے کا حق حاصل ہونا جتنی قیمت میں وہ مشتری کو حاصل ہوئی ہے۔ شفعہ تین قسم کے لوگوں کے لئے ثابت ہوتا ہے۔

۱۔ نفس مبیع میں شریک

۲۔ حق مبیع میں شریک

۳۔ پڑوسی (جار ملاصق)

شفعہ کا ثبوت سرکار دوعالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ سے ہوتا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

۱۔ شفعہ اس شریک کے لئے ہے جس نے اپنا حصہ الگ نہیں کیا۔

۲۔ مکان کا پڑوسی اور زمین کا پڑوسی اس کا زیادہ حق رکھتا ہے اگر وہ غائب ہو تو اس کا انتظار کیا جائے جب کہ ان دونوں کا راستہ ایک ہو۔

۳۔ پڑوسی اپنے سقب کا زیادہ حق رکھتا ہے۔ پوچھا گیا یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وآلک وسلم اس کا سقب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اس کا شفعہ اور

بعض روایات میں **"الجار احق بشفعته"** کے الفاظ ہیں۔
ان احادیث سے تینوں قسم کے لوگوں کے لئے شفعہ ثابت ہو رہا ہے۔

اختلاف :- امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پڑوسی کو حق شفعہ نہیں ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "شفعہ اس چیز میں ہوتا ہے جو تقسیم نہیں کی گئی جب حدود قائم ہو جائیں اور راستے الگ کر دیئے جائیں تو شفعہ نہیں ہو گا"۔

ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ شفعہ خلاف قیاس ہے کیونکہ اس کے ذریعے آدمی کسی دوسرے شخص کی مرضی کے بغیر اس کے مال کا مالک بنتا ہے۔

ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ شفعہ کی بنیاد "اتصال" ہے جس کی وجہ سے ضرر پیدا ہوتا ہے اور وہ جس طرح شریک کی صورت میں ہوتا ہے پڑوسی کی صورت میں بھی ہوتا ہے لہٰذا جب شریک کو اس ضرر سے بچانے کے لئے شفعہ کا حق دیا جاتا ہے پڑوسی کو بھی اسی بنیاد پر یہ حق ملنا چاہئے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ شریک کو شریعت نے یہ حق اس لئے دیا ہے کہ اسے تقسیم کی پریشانی سے بچایا جائے جب کہ پڑوسی کو اس قسم کی پریشانی لاحق نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تقسیم کی وجہ سے جو ضرر پیدا ہوتا ہے وہ جائز ہے اور شریعت میں اس کی اجازت ہے لہٰذا اسے شفعہ کی علت نہیں بنایا جا سکتا نیز حدیث انہوں نے پیش کی ہے اس میں اس شفعہ کی نفی ہے جو شراکت کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

حق شفعہ میں ترتیب

یہ شفعہ کا حق سب سے پہلے شریک فی **المبیع** کو ہوتا ہے۔ پھر شریک فی

حق **المبیع** (خلیط) کو ہوتا ہے اور پھر پڑوسی (جار ملاصق) کو یہ حق حاصل ہوتا ہے۔ اس ترتیب کی دو دلیلیں ہیں۔ ایک نقلی اور دوسری عقلی۔

نقلی دلیل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی "شریک، خلیط سے زیادہ حق رکھتا ہے اور خلیط، شفیع سے زیادہ حق رکھتا ہے" یہاں شفیع سے مراد پڑوسی ہے۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ چونکہ شفعہ اتصال کی بنیاد پر ہوتا ہے لہٰذا جس کا اتصال زیادہ مضبوط ہو گا اس کو زیادہ حق ملے گا۔ (یعنی اس کا حق مقدم ہو گا)۔

حنفی آئمہ کا باہم اختلاف

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جب تک مبیع میں شریک موجود ہو وہ شفعہ کرے یا نہ کرے دوسروں کو حق نہیں ملے گا۔ جبکہ طرفین کے نزدیک اس کے دستبردار ہو جانے سے دوسروں کو حق مل جائے گا۔

فائدہ

شریک فی نفس المبیع، مبیع کی کسی جز میں بھی شریک ہو تو بھی مقدم ہو گا کیونکہ اس کا اتصال اقویٰ ہے۔

راستے اور پانی سے کیا مراد ہے؟

شفعہ کے سلسلے میں حق مبیع یعنی راستے اور پانی سے خاص راستہ اور خاص پانی مراد ہے۔ خاص راستہ وہ ہوتا ہے جو آگے سے بند ہو۔ خاص پانی کی تعریف میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ طرفین کے نزدیک جس نہر میں کشتیاں نہ چلتی ہوں وہ خاص ہے ورنہ عام ہے۔ جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جس نہر سے دو یا تین زمینیں سیراب ہوتی ہوں وہ خاص ہے ورنہ عام ہے۔

(نوٹ) کسی شخص کی دیوار پر دوسرے شخص کا شہتیر ہو یا وہ دونوں دیوار پر رکھی ہوئی لکڑی میں شریک ہوں تو یہ مبیع میں شریک نہیں ہوں گے۔ بلکہ پڑوسی کہلائیں گے۔

اجتماع شفعاء

اگر ایک سے زیادہ شفیع اکٹھے ہو جائیں تو ان کے درمیان شفعہ کی تقسیم کے سلسلے میں احناف کا امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ سے اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہر شفیع کے حصے کی مقدار کے مطابق اسے شفعہ کا حق حاصل ہو گا کیونکہ شفعہ ملک کے منافع میں سے ہے لہٰذا جس طرح غلہ اور پھل وغیرہ کے منافع میں بقدر حصہ تقسیم ہوتی ہے یہاں بھی اسی طرح ہو گا۔

احناف کا مسلک یہ ہے کہ شفعاء کی تعداد کے مطابق ان کو حق شفعہ ملے گا کیونکہ شفعہ کی علت اتصال ہے اور اتصال میں کثرت کی بجائے قوت کا لحاظ کیا جاتا ہے لہٰذا جب قوت کے اعتبار سے وہ سب مساوی ہیں تو ان کو شفعہ کا حق بھی مساوی طور پر حاصل ہو گا۔ غلہ وغیرہ پر اسے قیاس کرنا درست نہیں ہے کیونکہ وہاں اپنی ملک سے نفع حاصل ہوتا ہے اور یہاں غیر کی ملک سے نفع حاصل ہو رہا ہے۔

شفعہ کا ثبوت اور استقرار

شفعہ کسی چیز کے بیچنے سے ثابت ہوتا ہے، اجارہ وغیرہ پر دینے سے ثابت نہیں ہوتا کیونکہ شفعہ اسی وقت ہوتا ہے جب یہ معلوم ہو جائے کہ بائع کو اس چیز سے رغبت نہیں ہے اور یہ بات بیچنے سے معلوم ہو گی۔ البتہ شفعہ کا جو سبب ہے وہ "اتصال ملک" ہے۔

شفعہ کے لئے فوری مطالبہ اور اس کو پکا کرنے کے لئے گواہ بنانا ضروری ہے البتہ اس چیز کا مالک اس وقت بنے گا جب مشتری اس کے حوالے کر دے یا قاضی اس کے حق میں فیصلہ کر دے۔ یہی وجہ ہے کہ ان دونوں باتوں کے پائے جانے سے پہلے اگر شفیع مر گیا تو دار مشفوعہ وراثت میں تقسیم نہیں ہو گا اور اگر اس نے اپنے مکان کو بیچ دیا تو شفعہ باطل ہو جائے گا کیونکہ علت (اتصال) ختم ہو گئی ہے اور اگر مشفوعہ دار کے ساتھ والا مکان بکا تو اس پر شفعہ نہیں کر سکتا کیونکہ ان تینوں صورتوں میں اسے دار مشفوعہ کی ملک حاصل نہیں ہوئی ہے۔

باب طلب الشفعة والخصومة فيها

طلب شفعہ کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ **طلب مواثبة**
۲۔ طلب اشہاد و تقریر
۳۔ **طلب خصومة و تملک**

طلب مواثبة یہ ہے کہ شفیع کو جس وقت سودے کا پتہ چلے اسی وقت اس مجلس میں اعلان کر دے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا **الشفعة لمن واثبها** شفعہ اس کے لئے ہے جو اس کا فوری مطالبہ کرے۔

عام مشائخ کے نزدیک سودے کی خبر ملتے ہی طلب شفعہ ضروری ہے جبکہ امام محمد کی ایک روایت کے مطابق اور یہی امام کرخی کا مسلک ہے، مجلس کے آخر تک اسے اختیار حاصل ہے۔

شفعہ ہر اس لفظ کے ساتھ طلب کیا جا سکتا ہے جس سے طلب شفعہ کا مفہوم واضح ہوتا ہو۔ مثلاً **"طلبت الشفعة' اطلب الشفعة' انا طالب**

الشفعۃ" وغیرہ۔

اختلاف ائمہ

جب شفیع کو سودے کی خبر ملے تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک طلب شفعہ اس وقت واجب ہو گا جب دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں یا ایک عادل مرد خبر دے۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک خبر دینے والا کوئی بھی ہو۔ بچہ، عورت، آزاد، غلام، طلب شفعہ واجب ہو گا۔

امام ابو حنیفہ پر اعتراض اور اس کا جواب

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ جس عورت کو خاوند نے طلاق حاصل کرنے کا اختیار دیا اسے خبر دینے والا عادل ہو یا غیر عادل آپ اسے تسلیم کرتے ہیں جبکہ یہاں آپ عدد یا عدالت کی شرط رکھتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ نیز اگر اسے مشتری خبر دیتا ہے تو پھر بھی عدد یا عدالت کو ملحوظ رکھے بغیر آپ طلب شفعہ کو واجب قرار دیتے ہیں ———— کیوں ؟

جواب :۔ مخیرہ عورت کی صورت میں کوئی حکم لازم نہیں کیا جاتا اور مشتری کی خبر کی صورت میں چونکہ وہ خود فریق ہے لہٰذا ان دونوں صورتوں میں عدالت کا یا تعدد کا اعتبار نہیں ہو گا۔

طلب اشہاد و تقریر

طلب اشہاد و تقریر کا مطلب یہ ہے کہ اپنے مطالبہ پر کسی کو گواہ بنا لینا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اگر ابھی تک مبیع بائع کے پاس ہے تو بائع یا مشتری دونوں میں سے کسی ایک کے پاس جا کر گواہ بنائے کیونکہ بائع کو قبضہ حاصل ہے اور مشتری کو ملک۔ یا اس بیچی جانے والی زمین کے پاس جا کر کچھ لوگوں کو طلب شفعہ

کا گواہ بنائے اور اگر بائع نے مبیع مشتری کے سپرد کر دی تو بائع کے پاس گواہ نہیں بنا سکتا کیونکہ اس کا اس مبیع سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ اس سلسلے میں وہ یہ الفاظ کہے گا کہ فلاں شخص نے اس مکان کو (مثلاً) خریدا ہے میں اس کا شفیع ہوں۔ اس سے پہلے میں شفعہ طلب کر چکا ہوں۔ اب پھر اس کا مطالبہ کرتا ہوں۔

طلب خصومت و تملک

طلب خصومت و تملک یہ ہے کہ گواہ بنانے کے بعد شفیع قاضی کی عدالت میں جائے اور یہ دعویٰ کرے کہ فلاں شخص نے فلاں زمین (مثلاً) خریدی ہے اور میں شفعہ کر رہا ہوں۔ اب قاضی مدعیٰ علیہ سے پوچھے گا کہ کیا وہ زمین جس کے ذریعے یہ شفعہ کر رہا ہے واقعی اس کی ملکیت ہے اگر وہ اقرار کر لے تو ٹھیک ہے ورنہ شفیع سے گواہی طلب کرے کیونکہ اس کا قبضہ ممکن ہے ملکیت کی بجائے کسی اور سبب سے ہو۔ اگر وہ گواہ نہ پیش کر سکے تو مشتری سے قسم لے۔ وہ یوں قسم کھائے کہ اسے شفیع کے اس زمین کا مالک ہونے کا علم نہیں ہے جس کے ذریعے وہ شفعہ کر رہا ہے۔ اگر وہ قسم کھانے سے انکار کر دے یا شفیع گواہ پیش کر دے تو اب اس کی ملکیت اور پڑوسی ہونا ثابت ہو جائے گا اس کے بعد قاضی مدعیٰ علیہ سے پوچھے کہ اس نے وہ زمین خریدی ہے یا نہیں۔ اگر وہ خریدنے سے انکار کرے تو شفیع کو گواہ پیش کرنے کے لئے کہا جائے گا۔ اگر وہ گواہ نہ پیش کر سکے تو مشتری سے قسم لی جائے۔ یہ قسم دو طرح کی ہو سکتی ہے ایک تو یہ کہ اللہ کی قسم اس نے نہیں خریدا۔ اور دوسری یہ کہ جس وجہ سے وہ (شفیع) اس مکان میں شفعہ کا دعویٰ کر رہا ہے اس وجہ سے وہ اس کا مستحق نہیں ہے۔

یہ قسم "حلف علی الحاصل" کہلاتی ہے اور پہلی قسم "حلف علی السبب" کہلاتی ہے۔

(نوٹ) جب دوسرے شخص کے بارے میں قسم اٹھائی جائے تو وہاں علم کی نفی کرے اور جب اپنے بارے میں قسم اٹھائے تو وہ قطعی طور پر ہونی چاہیے۔

طلب خصومت میں تاخیر

طلب خصومت میں تاخیر کی وجہ سے شفعہ باطل ہوتا ہے یا نہیں۔ اس سلسلے میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ امام صاحب کے نزدیک شفعہ باطل نہیں ہوتا امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی ایک روایت یہی ہے جبکہ ان سے دوسری روایت یوں ہے کہ اگر قاضی کی کسی مجلس میں مخاصمت نہ کی تو شفعہ باطل ہو جائے گا۔

امام محمد اور امام زفر رحمہما اللہ کے نزدیک طلب اشہاد کے بعد ایک مہینے تک تاخیر ہو سکتی ہے ورنہ شفعہ باطل ہو جائے گا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر ترک خصومت سے شفعہ ساقط نہ ہو تو مشتری کو نقصان پہنچتا ہے کیونکہ وہ اس میں شفعہ کے ڈر سے کوئی تصرف نہیں کر سکتا۔ لہٰذا ایک اوئی مدت مقرر کی جائے اور وہ ایک مہینے کی مدت ہے۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ جب شفیع کے لئے حق ثابت ہو گیا تو جب تک وہ خود نہ ساقط کرے ساقط نہیں ہو گا۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس خدشہ کہ "مشتری کو نقصان ہوتا ہے" کا جواب یوں دیتے ہیں کہ اگر شفیع غائب ہو تو اس صورت میں بھی مشتری کو نقصان کا ڈر ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود اس صورت میں حق شفعہ ساقط نہیں ہوتا اور اگر شہر میں قاضی نہ ہو تو بالاتفاق تاخیر کی وجہ سے شفعہ ساقط نہیں ہو گا۔

مجلس قاضی میں ثمن لے کر حاضر ہونا ضروری ہے یا نہیں

ظاہر روایت کے مطابق شفیع قاضی کی مجلس میں ثمن لانے کے بغیر بھی

طلب خصومت کر سکتا ہے۔ جب اس کے حق میں فیصلہ ہو جائے تو ادائیگی کر دے۔ امام محمد رحمتہ اللہ علیہ کی ایک روایت اور بواسطہ حضرت حسن حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے ایک روایت کے مطابق جب تک شفیع ثمن حاضر نہ کرے قاضی اس کے حق میں فیصلہ نہیں دے گا کیونکہ ممکن ہے کہ وہ مفلس ہو۔

ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے کہ قاضی کے فیصلے سے پہلے اس پر ثمن لازم نہیں ہوتے۔ اسی لئے ان کی ادائیگی شرط نہیں ہے لہٰذا ان کو حاضر کرنا بھی شرط نہیں ہے۔ اب اگر وہ ادائیگی ثمن میں تاخیر کرے تو مشتری اسے روک سکتا ہے لیکن اس کے حق میں جو فیصلہ ہوا ہے وہ برقرار رہے گا اور شفعہ باطل نہیں ہو گا کیونکہ یہ موکد ہو چکا ہے۔ حتیٰ کہ حضرت امام محمد رحمتہ اللہ علیہ بھی اس مسئلے میں اتفاق کرتے ہیں۔

عدالت میں بائع اور مشتری کی حاضری

اگر مبیع ابھی تک بائع کے قبضہ میں ہو تو شفیع اسے قاضی کی عدالت میں لے جائے گا۔ لیکن قاضی گواہوں کی گواہی اس وقت سنے گا جب مشتری بھی حاضر ہو جائے۔ مشتری کی موجودگی میں بیع کو فسخ کرے گا اور مبیع کی ادائیگی بائع کے ذمہ ڈالے گا۔

دونوں کی حاضری اس لئے ضروری ہے کہ بائع کو قبضہ حاصل ہے اور مشتری اس چیز کا مالک ہو چکا ہے۔

اور اگر مبیع مشتری کے حوالے کر دیا گیا اب بائع کی عدالت میں حاضری نہیں ہو گی کیونکہ وہ اجنبی ہو چکا ہے۔

امام قدوری نے فرمایا **فیفسخ البیع بمشهد منه ای من**

المشتری) اس عبارت کے حوالے سے ایک بات یہ واضح ہوتی ہے کہ مشتری کی عدالت میں حاضری کی دو وجہ ہیں۔ ایک ملکیت کا حصول اور دوسری بیع کا مشتری کے حق میں فسخ ہونا نیز یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ یہاں بیع بنیادی طور پر فسخ نہیں ہو گی بلکہ مشتری کے حق میں فسخ ہو گی اور شفیع مشتری قرار پائے گا۔

وکیل پر شفعہ

اگر بیچنے یا خریدنے والا بائع یا مشتری کا وکیل ہو تو جب تک مبیع وکیل کے قبضے میں ہے شفیع کی خصومت اس کے ساتھ ہو گی اور عدالت میں وہی حاضر ہو گا۔ البتہ اگر مبیع موکل کے حوالے کر دیا گیا تو اب یہ جھگڑا موکل کے ساتھ ہو گا کیونکہ وکیل اس کا قائم مقام تھا اب اس کی ذمہ داری ختم ہو گئی۔

خیار رؤیت

چونکہ شفعہ بھی ایک قسم کی خریداری ہوتی ہے اس لئے اگر شفیع نے اس دار کو نہیں دیکھا جس کے بارے میں قاضی نے اس کے حق میں فیصلہ دیا ہے تو اسے اس کے دیکھنے کا خیار حاصل ہو گا۔ اس طرح اسے خیار عیب بھی حاصل ہو گا۔ اگرچہ مشتری عیب سے برائت کی شرط رکھتا ہے یا وہ کہتا ہے کہ میں نے اسے دیکھ لیا ہے تمہارے دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ثمن میں اختلاف

اگر شفیع اور مشتری میں دار مشفوعہ کے ثمن میں اختلاف ہو جائے تو مشتری کا قول معتبر ہو گا کیونکہ شفیع کم قیمت کے ساتھ استحقاق کا دعویٰ کرتا ہے اور مشتری منکر ہے اور گواہوں کی عدم موجودگی میں قسم کے ساتھ منکر کا قول معتبر ہوتا ہے۔

سوال : شفیع اور مشتری دونوں سے قسم اٹھوا کر سودے کو رد کیوں نہیں کر دیا جاتا؟ جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے۔ **اذا اختلف المتبائعان والسلعة قائمة تحالفا و ترادا**

جواب : یہ قسم اس صورت میں ہوتی ہے کہ جب دونوں مدعی بھی ہوں اور منکر بھی۔ جب کہ یہاں شفیع کا مشتری پر دعویٰ ہے لیکن مشتری کا شفیع پر کوئی دعویٰ نہیں ہے لہذا ان دونوں کے معاملے کو بائع اور مشتری کے معاملے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا اور خاص ان کے بارے میں کوئی نص بھی نہیں ہے۔ ثمن میں اختلاف کی مختلف صورتیں ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ مشتری اور شفیع کے درمیان اختلاف ہو۔ اس کی پھر دو صورتیں ہیں دونوں کے پاس گواہ نہ ہوں یا دونوں کے پاس گواہ ہوں۔

اگر دونوں کے پاس گواہ نہ ہوں تو مشتری کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہو گا کیونکہ اس صورت میں شفیع کم پیسوں کے ساتھ استحقاق کا دعویٰ کرتا ہے اور مشتری منکر ہے لہذا منکر کا قول معتبر ہو گا لیکن اسے قسم بھی دی جائے گی اور اگر دونوں گواہ پیش کریں تو طرفین کے نزدیک شفیع کے گواہ معتبر ہوں گے اور امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک مشتری کے گواہ معتبر ہوں گے۔

امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ مشتری زیادہ رقم ثابت کر رہا ہے لہذا اس کے گواہ بائع کے گواہ کی طرح ہو جائیں گے اور چونکہ بائع اور مشتری کے گواہوں میں سے بائع کے گواہ معتبر ہوتے ہیں لہذا یہاں مشتری کے گواہ معتبر ہوں گے۔ طرفین کے نزدیک دونوں کے گواہوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے بلکہ یوں کہا جائے گا کہ یہاں دو سودے موجود ہیں شفیع جس کے مطابق چاہے لے سکتا ہے۔

امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قیاس کا جواب یہ ہے کہ بائع اور مشتری کے درمیان اختلاف کی صورت میں دو عقد نہیں ہوتے جب تک پہلا عقد فسخ نہ کیا جائے دوسرا عقد نہیں پایا جاسکتا۔ لیکن شفیع کے حق میں پہلے عقد کا فسخ ظاہر نہیں ہو گا۔ کیونکہ فسخ عقد عاقدین کے درمیان ہوتا ہے اور یہ اجنبی (ایک تیسرا شخص) ہے۔

ثمن میں اختلاف کی دوسری صورت یہ ہے کہ بائع اور مشتری کے درمیان اختلاف ہو۔ یہاں پھر دو صورتیں ہوں گی۔ بائع کم کا دعویٰ کرتا ہے اور مشتری زیادہ کا یا بائع زیادہ کا دعویٰ کرتا ہے۔ پہلی صورت میں دو حالتیں ہوں گی۔ ابھی تک ثمن پر قبضہ نہیں ہوا یا ہو گیا۔ اگر مشتری زیادہ رقم اور بائع کم کا دعویٰ کرے اور ابھی تک بائع نے ثمن پر قبضہ نہیں کیا تو شفیع کے حق میں بائع کی بات معتبر ہو گی اور یوں سمجھا جائے گا کہ بائع نے مشتری کو کچھ رقم چھوڑ دی کیونکہ اگر حقیقت وہ ہے جو بائع کہہ رہا ہے تو اسی کے ساتھ شفعہ واجب ہو جائے گا۔ اور اگر مشتری کی بات صحیح ہے تو گویا کہ بائع نے بعض ثمن کم کر دیئے اور یہ کمی شفیع کے حق میں ظاہر ہو گی اور چونکہ شفیع کو بائع کے واجب کرنے سے یہ ملک حاصل ہو رہی ہے لہٰذا مقدار ثمن میں بھی بائع کا قول معتبر ہو گا اور اگر بائع زیادہ رقم کا دعویٰ کرتا ہے تو دونوں سے قسم لی جائے اور ان کے درمیان بیع کو فسخ کر دیا جائے اور بائع کے قول کے مطابق شفیع اس چیز کو حاصل کرے گا کیونکہ فسخ بیع سے شفیع کا حق باطل نہیں ہوتا۔

اور اگر ان میں سے کوئی قسم اٹھانے سے انکار کر دے تو دوسرے فریق کا قول معتبر ہو گا اور شفیع اس کے بیان کردہ ثمن کے ساتھ حاصل کرے گا۔

اور اگر بائع اور مشتری کے درمیان اختلاف ثمن پر قبضہ کے بعد پیدا ہوا تو مشتری کی بات معتبر ہو گی کیونکہ بائع اب اجنبی ہو گیا اور اس صورت میں اب

اختلاف مشتری اور شفیع کے درمیان ہو گا اور اس کا حل وہی ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔

مشفوع کس چیز کے ساتھ لیا جائے؟

بنیادی طور پر شفیع اسی ثمن کے ساتھ مشفوع کو لیتا ہے جو مشتری نے بائع کو ادا کئے ہیں لیکن اس کے علاوہ کچھ اور صورتیں پیش آتی ہیں جن کے پیش نظر مشفوع کی قیمت کا تعین کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً

۱- بائع نے مشتری سے بعض ثمن ساقط کر دیئے
۲- مشتری نے بائع کو ثمن سے زائد رقم دی
۳- مشتری نے مکان وغیرہ کی قیمت سامان کی صورت میں ادا کی
۴- کیلی یا وزنی چیز کے ساتھ خریدا
۵- زمین کے بدلے میں بطور ثمن زمین دی

پہلی صورت میں بائع نے جو رقم ساقط کی ہے وہ شفیع سے بھی ساقط ہو گی اور اگر وہ کل رقم ساقط کر دے تو وہ شفیع سے ساقط نہیں ہو گی کیونکہ بعض ثمن کا ساقط کرنا اصل عقد کے ساتھ ملحق شمار ہوتا ہے جب کہ تمام ثمن کا سقوط ایسا نہیں۔

اگر مشتری زیادہ رقم ادا کرے تو یہ اضافہ شفیع پر لازم نہیں آئے گا کیونکہ یہ اس کے لئے باعث ضرر ہے۔

اگر مشتری سامان کے ساتھ خریدے تو شفیع کو قیمت دینی پڑے گی اور اگر کیلی یا وزنی چیز کے ساتھ خریدے تو اس کی مثل ادا کرے کیونکہ سامان ذوات القیم میں سے ہے اور یہ (کیلی یا وزنی چیزیں) ذوات الامثال میں سے ہیں اور اگر وہ چیز عددی متقارب ہو تو اسے بھی ذوات الامثال میں شمار کیا جائے گا۔

اگر زمین کے بدلے زمین خریدے تو شفیع دوسری زمین کی قیمت ادا کرے گا یعنی جو زمین ثمن قرار پائی ہے اس کی قیمت ادا کرے کیونکہ یہ ذوات القیم میں سے ہے۔

ثمن مؤجل کے ساتھ سودا

اگر بائع نے مشتری سے ثمن کی وصولی کسی مدت کے ساتھ مؤخر کر دی تو اب شفیع کو کیا کرنا ہوگا؟ اس سلسلے میں آئمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ آئمہ ثلاثہ (احناف) کے نزدیک شفیع کو اس بات کا اختیار ہے کہ وہ فی الحال رقم ادا کر کے مشفوع لے لے یا اس مدت کے ختم ہونے کا انتظار کرے۔ امام زفر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مشتری کی طرح اسے بھی یہ حق حاصل ہے کہ مشفوع حاصل کر لے اور رقم بعد میں ادا کرے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا قدیم قول بھی یہی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اجل ثمن میں وصف کی حیثیت رکھتا ہے لہٰذا شفعہ کی صورت میں شفیع کو اصل اور وصف دونوں کا حق حاصل ہوگا۔

جب کہ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک اجل شرط کے ساتھ ثابت ہوتی ہے اور یہ شرط بائع اور مشتری کے درمیان ہے مشتری اور شفیع کے درمیان نہیں ہے اور نہ ہی اسے شفیع کے حق میں بائع کی رضامندی کہا جاسکتا ہے کیونکہ لوگ مختلف اخلاق کے مالک ہوتے ہیں کسی کو یہ سہولت دی جاتی ہے اور کسی کو نہیں۔

امام زفر رحمتہ اللہ علیہ کا یہ فرمانا کہ اجل ثمن کا وصف ہونے کی وجہ سے اس کا تابع ہے، صحیح نہیں کیونکہ اگر وہ اس کے تابع ہوتی تو یہ بائع کا حق ہوتا جس طرح ثمن (اصل) بائع کا حق ہے۔

اب یہاں ایک اختلاف اور ہے وہ یہ کہ اگر شفیع انقطاع اجل تک انتظار کرے یعنی طلب شفعہ نہ کرے تو امام ابوحنیفہ، امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک

حق شفعہ باطل ہو جائے گا جبکہ امام ابویوسف رحمتہ اللہ علیہ کے دوسرے قول کے مطابق حق شفعہ باطل نہیں ہوگا۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ حق شفعہ بیع کے علم کے ساتھ ثابت ہو گیا لہٰذا اس کا مطالبہ فوری طور پر ضروری ہے۔ اگرچہ اس کا حصول بعد میں ہو سکتا ہے۔

شراب یا خنزیر کے ساتھ سودا

اگر کسی ذمی شخص نے کوئی مکان وغیرہ شراب یا خنزیر کے بدلے میں خریدا تو دیکھا جائے گا اس کا شفیع کون ہے اگر شفیع ذمی ہو تو شراب کی مثل اور خنزیر کی قیمت ادا کرے گا۔ کیونکہ ان کے نزدیک شراب ایسے ہی ہے جیسے ہمارے نزدیک سرکہ اور ان کے نزدیک خنزیر" ہمارے نزدیک بکری کی طرح ہے یعنی شراب ذوات الامثال اور خنزیر ذوات القیم میں سے ہوگا۔ اور اگر شفیع مسلمان ہو تو دونوں صورتوں میں قیمت دے گا۔ خنزیر تو ویسے ہی ذوات القیم میں سے ہے اور شراب اب مسلمان کے حق میں غیر مثلی قرار پائے گی۔ کیونکہ اس کا لین دین مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے یہ ایک بنیادی بات ہے اگر شفیع مسلمان اور ذمی دونوں ہوں تو اسی کے مطابق اپنے اپنے حساب سے ادائیگی کریں گے۔

مشتری کی تعمیرات کا حکم

اگر مشتری نے زمین خریدنے کے بعد اس میں عمارت بنائی یا کوئی درخت لگا دیا پھر شفیع کے حق میں فیصلہ ہو گیا تو طرفین کے نزدیک شفیع کو اختیار ہے کہ زمین کے ثمن اور عمارت کی قیمت ادا کر کے اسے حاصل کر لے یا مشتری کو اس کے اکھاڑنے کا پابند کرے۔

امام ابویوسف رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک یا تو وہ ثمن اور عمارت کی قیمت ادا کر کے اسے لے لے یا شفعہ چھوڑ دے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا بھی یہی

مسلک ہے البتہ ان کے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ مشتری کو عمارت وغیرہ گرانے کا پابند کیا جائے اور اس کی قیمت ادا کی جائے۔

دلائل : امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک مشتری عمارت بنانے کا حق رکھتا ہے کیونکہ وہ زمین یا دار اس کی ملکیت ہے اگر اس کے اکھاڑنے کا پابند کیا جائے تو یہ زیادتی ہے اور قیمت دے کر اسے لینے میں بڑے ضرر کو دور کر کے چھوٹا ضرر برداشت کیا جاتا ہے جس طرح موھوب زمین شراء فاسد کے ساتھ خریدی ہوئی زمین میں مشتری تصرف کرے یا موھوب لہ تصرف کرے یا مشتری کھیتی باڑی کرے تو اسے اکھاڑنا جائز نہیں ہے۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ مشتری نے ایک ایسی جگہ تصرف کیا ہے جس میں غیر کا حق پکا ہو گیا اور صاحب حق نے اسے یہ اجازت بھی نہیں دی لہٰذا جس طرح گروی زمین میں اگر مرتہن عمارت بنائے تو راہن اسے توڑ سکتا ہے۔ اسی طرح مشتری کی بنائی ہوئی عمارت کو شفیع اکھاڑنے کا مطالبہ کر سکتا ہے جہاں تک ہبہ اور شراء فاسد کا تعلق ہے وہاں صاحب حق کی طرف سے حق دینے کے بعد تصرف کیا گیا اس لئے اسے اکھاڑا نہیں جاسکتا اور مشتری کے کھیتی باڑی کرنے کی صورت میں اسے برقرار رکھنا محض اس بنیاد پر ہوتا ہے کہ وہ ایک مخصوص مدت کے لئے ہوتی ہے یا اسے اجرت (کرایہ) کے طور پر باقی رکھا جاسکتا ہے اس لئے ان پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ اگر شفیع اس زمین میں کوئی عمارت بنا دے پھر اس کا کوئی مستحق نکل آئے تو مشتری صرف ثمن لینے کا حق رکھتا ہے۔ عمارت وغیرہ کی قیمت نہ بائع سے وصول کر سکتا ہے نہ مشتری سے۔

امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شفیع مشتری کی طرف رجوع کرے گا کیونکہ اسے جو ملک حاصل ہوئی ہے وہ مشتری سے حاصل ہوئی ہے لہٰذا مشتری کو بائع قرار دیا جائے گا اور شفیع مشتری قرار پائے گا۔ اور جس طرح مشتری

عمارت وغیرہ کی قیمت بائع سے وصول کر سکتا ہے اسی طرح شفیع کو مشتری سے وصول کرنے کا حق ہے۔ دوسرے ائمہ اس سلسلے میں یوں فرق کرتے ہیں کہ مشتری کو بائع کی طرف سے دھوکہ دیا گیا اور یہ زمین وغیرہ بائع کی طرف سے اس پر مسلط کی گئی جبکہ مشتری نے شفیع کو اس زمین کے حاصل کرنے پر مجبور نہیں کیا بلکہ خود شفیع نے اسے مجبور کیا ہے اس لئے یہاں مشتری نے اسے دھوکہ نہیں دیا لہٰذا وہ عمارت کی قیمت کے سلسلے میں مشتری سے رجوع نہیں کر سکتا۔

مشفوعہ زمین پر قائم عمارت وغیرہ کا انہدام

جب مشتری نے بائع سے زمین خریدی اور اس پر کوئی عمارت بنی ہوئی تھی یا باغ تھا اگر شفعہ کرنے سے پہلے عمارت گر جائے یا جل جائے تو اس کی دو صورتیں ہوں گی۔ اگر کسی آسمانی آفت سے ایسا ہوا ہے تو شفیع کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے تمام ثمن دے کر وہ زمین لے لے یا شفعہ چھوڑ دے کیونکہ عمارت اور درخت وغیرہ زمین کے تابع ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ ذکر کے بغیر سودے میں داخل ہوتے ہیں اس لئے ان کے مقابلے میں ثمن نہیں ہوں گے۔ لہٰذا اگر زمین کا کچھ حصہ غرق ہو جائے تو اس حساب سے ثمن کم کئے جائیں گے کیونکہ اصل میں نقصان واقع ہوا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مشتری نے خود عمارت کو گرایا تو اس صورت میں گرائی گئی عمارت کی قیمت کو کل ثمن سے نفی کر دیا جائے اور شفیع باقی رقم ادا کرے یا یہ کہ شفعہ چھوڑ دے۔ پہلی صورت میں اور اس میں فرق یہ ہے کہ مشتری نے اسے گرا کر مقصودی بنا دیا لہٰذا اس کے مقابلے میں ثمن ہوں گے۔

مشفوعہ زمین کے درختوں پر پھل کا مسئلہ

یہاں تین صورتیں ہیں۔ مشتری نے جب زمین خریدی اور سودے کے

وقت ان پھلوں کا ذکر بھی ہوا تو اب یہ پھل زمین کے تابع قرار پاتے ہوئے شفیع کو بھی حاصل ہوں گے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ خریدتے وقت درختوں پر پھل نہیں تھا مشتری کے پاس آکر پھل لگا تو اس صورت میں بھی شفیع اس پھل کا حق دار ہے کیونکہ یہ بھی تبعاً مبیع ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ شفعہ سے پہلے مشتری نے پھل توڑ لئے تو اب شفیع پھل کا حق دار نہیں ہو گا چاہے سودے کے وقت وہ پھل تھے یا مشتری کے پاس آکر پھل لگے کیونکہ درخت سے الگ ہونے کی صورت میں یہ پھل زمین کے تابع نہیں رہے۔

امام قدوری کی عبارت کا مفہوم

امام قدوری نے فرمایا "اگر مشتری نے پھل توڑ لئے تو شفیع سے اس کے مطابق ثمن ساقط ہو جائیں گے" صاحب ہدایہ اس عبارت کی توضیح میں لکھتے ہیں کہ اس کا تعلق پہلی صورت کے ساتھ ہے کیونکہ سودے کے وقت پھل کی موجودگی اسے بیع میں داخل کراتی ہے لیکن دوسری صورت میں یعنی جب مشتری کے پاس آکر پھل لگے تو اب یہ بالتبع مبیع بنتے ہیں لہٰذا اس کے مقابلے میں ثمن نہیں ہوں گے۔

کس چیز میں شفعہ ہو سکتا ہے اور کس میں نہیں؟

شفعہ ایسی چیز میں ہو سکتا ہے جو غیر منقول ہو جیسے زمین اور جو چیز دوسری جگہ منتقل ہو سکتی ہو اس میں شفعہ نہیں ہو سکتا جیسے سامان اور کشتی وغیرہ۔

زمین کے سلسلے میں احناف اور شوافع کے درمیان اختلاف ہے۔ احناف کے

نزدیک زمین میں شفعہ ہو سکتا ہے چاہے وہ ناقابل تقسیم ہو۔ اس سلسلے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی روایات مروی ہیں جو عمومی حکم پر مشتمل ہیں۔ مثلاً آپ نے فرمایا **الشفعة فی کل شئی عقار او ربع** نیز شفعہ کا سبب ملک میں اتصال ہے اور اس کی حکمت برے پڑوس کے نقصان کو دور کرنا ہے اور یہ بات قابل تقسیم اور ناقابل تقسیم دونوں طرح کی زمین اور مکان وغیرہ کو شامل ہے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ شفعہ کا سبب ضرر تقسیم سے بچنا ہے اور یہ بات ناقابل تقسیم زمین میں حاصل نہیں ہو سکتی۔

سامان اور کشتی میں احناف کے نزدیک شفعہ نہیں ہو سکتا اس کی نقلی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ہے **لاشفعة الا فی ربع او حائط** اور عقلی دلیل یہ ہے کہ شفعہ کا سبب یعنی ملک میں اتصال غیر منقولہ چیزوں میں دائمی نہیں ہوتا جب کہ زمین میں دائمی ہوتا ہے اس لئے یہاں شفعہ کی ضرورت نہیں اس مسئلہ میں امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا اختلاف ہے وہ کشتی میں شفعہ ثابت کرتے ہیں۔ ان کے خلاف مذکورہ بالا حدیث حجت ہے۔ شفعہ اس زمین میں ہوتا ہے جس کی ملکیت مال کے بدلے حاصل ہو۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو بطور مہر مکان دیتا ہے یا عورت بدل خلع کے طور پر مکان دیتی ہے یا کوئی مکان کسی چیز کی اجرت کے طور پر دیا جاتا ہے، قتل عمد کی صورت میں خون کا بدلہ یا غلام کی آزادی کے لئے مکان لیا جائے تو ان تمام صورتوں میں شفعہ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہاں مکان کا سودا نہیں ہوا ہے۔

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک ان تمام صورتوں میں شفعہ ثابت ہے کیونکہ وہ ان تمام عوضوں کو **متقوم** مانتے ہیں مثلاً ہم یوں کہیں گے کہ مہر میں مکان کا دینا **بضعہ** کے منافع کی قیمت ہے۔

احناف کی طرف سے یہ جواب دیا جاتا ہے کہ نکاح میں منافع **بضع** کا عقد

(اجرت) اجارہ کے ساتھ مال متقوم ہونا ضرورت کے تحت ہے لہٰذا یہ حکم نکاح تک محدود ہوگا شفعہ میں ظاہر نہیں ہو گا۔ خون اور آزادی متقوم نہیں ہیں کیونکہ قیمت اس چیز کو کہتے ہیں جو ایک خاص مطلوبہ معنی میں غیر کے قائمقام ہو سکے اور وہ معنی مالیت ہے جو خون اور آزادی میں متحقق نہیں ہو سکتا کیونکہ آزادی ساقط کرنے اور ازالے کا نام ہے اور خون ایسی چیز نہیں ہے جسے بطور مال جمع کیا جا سکے۔ البتہ اگر کوئی شخص مہر مسمی یا مہر مثل کے بدلے میں بیوی کو مکان دیتا ہے تو شفعہ ہو سکتا ہے کیونکہ یہ مبادلۃ المال بالمال ہے۔

استثنائی صورت

اگر کوئی شخص نکاح کرتے وقت بطور مہر مکان دے اور یہ شرط رکھے کہ عورت اسے ایک ہزار روپیہ دے۔ تو اس صورت میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پورے مکان میں شفعہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہاں مقصود نکاح ہے اور بیع اس کے تابع ہے تو جب اصل میں شفعہ نہیں ہو سکتا تو تابع میں بھی نہیں ہو گا۔

صاحبین کے نزدیک ایک ہزار والے حصے میں شفعہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس حصے میں یہ مالی جادلہ ہے۔

مکان پر مصالحت یا مکان سے دستبرداری پر مصالحت

اگر کوئی شخص کسی دوسرے پر کچھ رقم کا دعویٰ کرتا ہے اور مدعاعلیہ اس دعویٰ کو تسلیم کرتا ہے یا خاموشی اختیار کرتا ہے یا انکار کرتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ جھگڑا ختم کرنے کے لئے مدعی کو مکان دے دیتا ہے تو اس مکان پر شفعہ ہو سکتا ہے کیونکہ مدعی کے گمان میں یہ مکان مال کے بدلے میں آیا ہے اور اگر کوئی شخص کسی دوسرے پر مکان کا دعویٰ کرتا ہے اور مدعاعلیہ اس کا اقرار کرتے ہوئے مدعی کو

رقم دیتا ہے تو اس صورت میں شفعہ واجب ہو جائے گا اور اگر مدعاعلیہ خاموش رہتے ہوئے یا انکار کرتے ہوئے پیسے دیتا ہے تو شفعہ نہیں ہو گا کیونکہ یہ رقم مکان کے بدلے میں نہیں دی گئی بلکہ جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے دی گئی ہے۔

(نوٹ) ہبہ شرط عوض کے ساتھ مشروط ہو تو شفعہ ثابت ہو گا کیونکہ یہ اگرچہ ابتداء" ہبہ ہے لیکن انتہاءً بیع ہے لیکن اس میں قبضہ شرط ہے نیز موہوب اور اس کا عوض ایسی چیز نہ ہو جو کسی دوسرے کی ملکیت کے ساتھ غیر معین حصہ بنتی ہے مثلاً کسی مکان کا نصف حصہ جس کی حد بندی نہیں کی گئی۔ اور اگر ہبہ عوض کے ساتھ مشروط نہ ہو تو شفعہ جائز نہیں۔

شرط خیار کے ساتھ سودے کی صورت میں شفعہ

شرط خیار کی دو صورتیں ہیں۔

۱- بائع کے لئے شرط خیار
۲- مشتری کے لئے شرط خیار

اگر بائع نے شرط خیار رکھی ہے تو چونکہ مبیع ابھی تک اس کی ملک میں ہے لہٰذا شفعہ نہیں ہو سکتا البتہ اگر وہ خیار کو ساقط کر دے تو زوال ملک کی وجہ سے شفعہ کا حق حاصل ہو جائے گا اور اس وقت طلب مواثبت ضروری ہے اور اگر مشتری نے اپنے لئے خیار شرط رکھی ہو تو شفعہ کا حق برقرار رہے گا۔ کیونکہ اس صورت میں بائع کی ملک زائل ہو جاتی ہے۔

(نوٹ) مشتری کے خیار شرط حاصل کرنے سے شفیع کو یہ اختیار حاصل نہیں ہوا کیونکہ یہ خیار شرط رکھنے سے حاصل ہوتا ہے اور اس کا حق مشتری کو حاصل ہوا ہے۔

بیع فاسد کی صورت میں شفعہ کا حق ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی دو

حاصل ہیں اگر مشتری نے مبیع پر قبضہ نہیں کیا تو ابھی بائع کی ملک باقی ہے اور اگر قبضہ کر لیا ہے تو فسخ کا احتمال باقی ہے لہذا شفعہ کا حق باقی نہیں رہے گا کیونکہ اس صورت میں اس فساد کو پکا کرنا ہے جسے دور کرنا ضروری تھا۔ البتہ اگر حق فسخ ساقط ہو جائے مثلاً مشتری نے اسے کسی اور پر بیچ دیا تو اب زوال مانع کی وجہ سے شفعہ ثابت ہو جائے گا۔

اگر ایک زمین کے شرکاء اسے آپس میں تقسیم کریں تو پڑوسی کو حق شفعہ حاصل نہیں ہو گا کیونکہ یہ بیع نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں قاضی جبر کر سکتا ہے یعنی اگر شرکاء میں سے کوئی ایک راضی نہ ہو تو وہ اسے تقسیم پر مجبور کر سکتا ہے اگر مشتری کوئی مکان خریدے اور شفیع حق شفعہ چھوڑ دے پھر مشتری خیار رویت یا شرط یا عیب کی وجہ سے قاضی کے حکم سے اسے واپس کر دے تو شفیع کو شفعہ کا حق واپس نہیں ملے گا۔ کیونکہ یہ ہر اعتبار سے پہلے سودے کو ختم کرتا ہے اور شفعہ کسی نئے عقد میں ہوتا ہے۔ البتہ قاضی کے فیصلے کے بغیر عیب کی وجہ سے واپس لوٹا دے یا اقالہ کر لیں تو شفعہ کا حق حاصل ہو جائے گا کیونکہ اس صورت میں واپس کرنا بائع اور مشتری کے حق میں فسخ ہے لیکن تیسرے آدمی کے حق میں جدید سودا ہے کیونکہ انہوں نے باہم رضامندی سے تبادلہ مال کیا ہے۔

(نوٹ) اس دوسری صورت میں بغیر (قضاء قاضی) عیب کی وجہ سے واپس لوٹانے سے مراد قبضہ کرنے کے بعد لوٹانا ہے کیونکہ قبضہ کرنے سے پہلے اگرچہ وہ بغیر قضاء قاضی کے لوٹائے وہ فسخ ہی کہلائے گا۔

کس صورت میں شفعہ باطل ہوتا ہے

سودے کا علم ہونے کے باوجود طلب مواثبت نہ کرنا اور اس طرح طلب مواثبت کے باوجود متعاقدین میں سے کسی ایک کے پاس یا زمین کے پاس گواہ نہ بنانا

شفعہ کو باطل کر دیتا ہے کیونکہ یہ اعراض کی دلیل ہے اور اگر کوئی چیز شفعہ کے عوض میں لے کر مصالحت کر لیتا ہے تو شفعہ باطل ہو جائے گا اور عوض واپس کرنا ہو گا کیونکہ شفعہ حق متقوم نہیں ہے بلکہ محض حق تملک ہے اس لئے اس کا عوض لینا جائز نہیں ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق کا اختیار دینے کے بعد اس اختیار کی واپسی کے لئے ایک ہزار روپیہ دے یا عنین فسخ نکاح کو چھوڑنے کے لئے اپنی بیوی کو ایک ہزار روپیہ دے اور وہ عورتیں اپنے خاوند کو اختیار کر لیں تو پہلے سے حاصل شدہ اختیار ساقط ہو جائے گا اور عوض ثابت نہیں ہو گا کیونکہ یہ بھی حق متقوم نہیں ہے۔ البتہ قصاص کا عوض لے سکتے ہیں کیونکہ وہ حق متقوم ہے۔ اسی طرح طلاق دینے اور آزاد کرنے کا عوض بھی لیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ ایسی ملک کا عوض ہے جو خاوند اور مالک کو کسی محل میں حاصل ہے۔

(نوٹ) حق متقوم سے مراد وہ حق ہے جس میں صلح کے بعد تبدیلی آجائے جیسے قاتل مباح الدم تھا صلح کے ذریعے اسے جان کی حفاظت کا حق مل گیا اور حق غیر متقوم وہ ہے جس میں صلح کے بعد کوئی تبدیلی نہ آئے جس طرح بیوی کو طلاق کا اختیار دیا پھر اس سے مصالحت کر لی تو مصالحت سے پہلے بھی وہ اس کی ملک تھی اور مصالحت کے بعد بھی اسی کی ملک ہے۔ شفیع کے فوت ہو جانے سے شفعہ باطل ہو جاتا ہے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک اس صورت میں حق شفعہ شفیع کے ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ شفیع کے فوت ہونے سے جس دار کی بناء پر وہ شفعہ کر رہا تھا اس کی ملک ورثاء کے لئے ثابت ہو جائے گی جب کہ سودا کرتے وقت یہ شفیع کی ملک تھی اور شرط یہ ہے کہ جس زمین یا مکان کی وجہ سے شفعہ کیا جائے وہ سودے کے وقت اور شفعہ کا فیصلہ کرتے وقت تک شفیع کی ملک ہونی

چاہئے جب کہ اس صورت میں سودے کے وقت وہ زمین شفیع کی ملک تھی اور فیصلے کے وقت ورثاء کی اس لئے یہ شفعہ باطل ہو جائے گا۔ البتہ اگر قاضی کے فیصلے کے بعد شفیع انتقال کر جائے تو یہ حق ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

مشتری کے فوت ہونے سے حق شفعہ باطل نہیں ہوتا کیونکہ مستحق یعنی شفیع موجود ہے اور حق شفعہ کے سبب میں بھی کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

اگر شفیع شفعہ کا فیصلہ ہونے سے پہلے پہلے اپنی اس زمین یا مکان کو بیچ دے جس کے ذریعے وہ شفعہ کرتا ہے تو شفعہ باطل ہو جائے گا کیونکہ سودے کے وقت اور اس کے بعد فیصلہ ہونے تک اس مکان کا شفیع کے پاس ہونا ضروری ہے اگر شفیع بائع کا وکیل ہو تو شفعہ کا حق ساقط ہو جائے گا کیونکہ جو شخص بیچتا ہے یا اس کے لئے بیچا جاتا ہے وہ شفعہ نہیں کر سکتا البتہ مشتری کا وکیل شفیع ہو تو شفعہ کا حق باقی رہے گا۔

پہلی صورت اور اس میں فرق یہ ہے کہ جو سودا اس کی وجہ سے پورا ہوا اس کا شفعہ کی صورت میں خود اپنی طرف سے توڑنا لازم آتا ہے۔

جب کہ دوسری صورت میں یوں کہا جائے کہ پہلے اس نے مشتری کے لئے خریدا اور اب اسے اپنے لئے خرید رہا ہے اور یہ دونوں سودے ایک جیسے ہیں اگر شفیع کسی خاص وجہ سے حق شفعہ چھوڑ دیتا ہے پھر اس کے علم میں اس کے خلاف بات آتی ہے تو شفعہ برقرار رہے گا۔ مثلاً اسے معلوم ہوا کہ ایک ہزار پر سودا ہوا ہے اس نے یہ سوچتے ہوئے کہ یہ رقم زیادہ ہے یا ادائیگی کے لئے اس کے پاس نقدی نہیں ہے، حق شفعہ چھوڑ دیا۔ پھر حقیقت حال معلوم ہوئی کہ کم رقم یا غلہ وغیرہ کے ساتھ سودا ہوا ہے تو یہ حق بحال ہو جائے گا۔

اسی طرح اگر اسے یہ معلوم ہوا کہ فلاں آدمی نے یہ مکان خریدا ہے اور وہ اسے اچھا پڑوسی سمجھتا ہے لہٰذا اس نے حق شفعہ چھوڑ دیا۔ پھر صورتحال واضح ہوئی کہ فلاں آدمی نے خریدا ہے اور وہ اس کے خیال میں اچھا پڑوسی نہیں ہے تو شفعہ کر سکتا ہے۔

اسقاط شفعہ کے لئے حیلہ

امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک شفعہ کو ساقط کرنے کے لئے حیلہ کرنا مکروہ نہیں ہے جب کہ امام محمد رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ ہے۔

امام محمد کی دلیل یہ ہے شفعہ، شفیع کو نقصان سے بچانے کے لئے کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اگر اس میں حیلہ جائز ہو تو وہ نقصان سے نہیں بچ سکتا۔

امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں چونکہ مشتری اپنے حق کو ثابت کرنے اور اپنے آپ سے نقصان کو دور کرنے کے لئے حیلہ کرتا ہے اس لئے اس کا یہ عمل جائز ہے اس سے اگر کسی دوسرے کو نقصان پہنچتا ہے تو اس کا اعتبار نہیں ہو گا حیلہ کی ایک صورت یہ ہے کہ مکان بیچتے وقت بائع شفیع کے مکان کی لمبائی کی طرف سے ایک گز (مثلاً) نہیں بیچتا کیونکہ بیع میں شفیع پڑوسی نہیں رہا۔

اسی طرح اگر مکان کا ایک حصہ کچھ قیمت کے ساتھ بیچا پھر باقی حصہ بیچا تو پڑوسی پہلے حصے میں شفعہ کر سکتا ہے دوسرے حصے میں نہیں اگرچہ وہ دونوں حصوں میں پڑوسی بنتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خریدار دوسرے حصے میں شریک ہو گیا اور شریک پڑوسی سے مقدم ہوتا ہے۔

اسی طرح اگر مکان کا تھوڑا حصہ زیادہ قیمت پر بیچا اور پھر باقی حصہ تھوڑی قیمت پر بیچا تو شفعہ سے بچاؤ ہو سکتا ہے کیونکہ پہلے سودے کے بعد زیادہ قیمت کی وجہ سے شفیع کو دلچسپی نہیں ہو گی اور دوسرے سودے کی صورت میں مشتری شریک ہونے کی وجہ سے مقدم ہو گا۔

(نوٹ) اگر ایک مکان کو پانچ آدمی کسی ایک آدمی سے خریدیں تو شفیع جس حصے میں چاہے شفعہ کر سکتا ہے لیکن پانچ آدمیوں سے ایک مکان ایک شخص خریدے تو شفیع پورے مکان میں شفعہ کرے گا یا بالکل چھوڑ دے گا کیونکہ پہلی صورت میں بائع یا خریداروں میں سے کسی کو نقصان نہیں پہنچ رہا لیکن دوسری صورت میں مشتری کو نقصان پہنچتا ہے کیونکہ اس کا سودا ٹوٹ جاتا ہے۔

اگر کوئی شخص ایسے مکان کا نصف حصہ خریدتا ہے جسے ابھی تقسیم نہیں کیا گیا پھر بائع نے اسے تقسیم کیا تو شفیع اس بات کا پابند ہے کہ اس حصے کو حاصل کرے یا شفعہ ترک کر دے کیونکہ یہ تقسیم قبضہ کو مکمل کرتی ہے اور شفیع اس قبضہ کو توڑنے کا حق نہیں رکھتا۔ البتہ اگر اس مکان کے شرکاء میں سے وہ شخص تقسیم کرے جس نے سودا نہیں کیا تو شفیع اس قبضہ کو توڑنے کا حق رکھتا ہے کیونکہ یہ بائع کی طرف سے نہیں ہے۔

اگر چھوٹے بچے کا باپ یا وصی حق شفعہ ساقط کر دے تو شیخین کے نزدیک جائز ہے جب کہ امام محمد اور امام زفر رحمہا اللہ کے نزدیک بالغ ہونے تک اس کا حق شفعہ برقرار رہے گا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ بچے کا حق ہے اس لئے وہ اسے ساقط کرنے کا اختیار نہیں رکھتے جب کہ شیخین کے نزدیک باپ یا وصی کو شفقت کی بنیاد پر ولایت حاصل ہے اور ایسا بھی ممکن ہے کہ شفعہ ترک کرنے میں بچے کا فائدہ ہو لہٰذا انہیں یہ حق حاصل ہو گا یہ اس صورت میں ہے جب اس کی مثل قیمت کے ساتھ بیچا جائے۔

اگر سودا بہت زیادہ قیمت کے ساتھ ہوا ہے تو بالاتفاق شفعہ کا حق چھوڑ دینا جائز ہے اور اگر کم قیمت کے ساتھ سودا ہوا ہے تو امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک ان دونوں کو شفعہ ساقط کرنے کا حق نہیں ہے۔

سوالات

۱- شفعہ کا لغوی و اصطلاحی معنی بتائیں اور شفعہ کے حق دار کون کون لوگ ہیں ان کی ترتیب بھی لکھیں۔

۲- متعدد شفعاء کے جمع ہونے کی صورت میں کیا طریقہ کار اختیار کیا جائے گا؟

۳- وجوب شفعہ' استقرار شفعہ اور حصول ملک کی وضاحت کریں اور ان کے اوقات نیز طریق کار کے سلسلے میں ضوابط کا جائزہ پیش کریں۔

۴- قاضی کے پاس شفعہ کے مقدمہ کے سلسلے میں کن کن امور کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے اور قاضی کس طرح فیصلہ کرے گا؟

۵- شفیع اور مشتری کے درمیان اختلاف کی صورتیں اور ان کا حکم واضح کریں۔

۶- بائع کی مشتری کے لئے رعایت سے شفیع فائدہ اٹھا سکتا ہے؟ وضاحت کریں نیز مشتری کے پاس مشفوع میں تغیر و تبدل کی صورت میں کیا حکم ہو گا؟

۷- کن کن اشیاء میں شفعہ ہو سکتا ہے اور کن اشیاء میں نہیں؟ اختلاف ائمہ کو سامنے رکھتے ہوئے بیان کریں۔

۸- شفعہ کا حق کب ساقط ہوتا ہے اور بطلان شفعہ کی کیا صورت ہے؟

۹- شفعہ سے بچنے کے لئے حیلہ کی وضاحت کرتے ہوئے جائز و ناجائز صورتوں کا ذکر کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قربانی کا بیان

لغوی اور اصطلاحی معانی

لفظ **اضحیۃ** اصل میں **اضحویۃ** بروزن **افعولۃ** تھا۔ واؤ اور یاء جمع ہوئے پہلا ساکن ہے۔ واؤ کو یاء سے بدل کر ادغام کیا اور یاء کی مناسبت سے حاء کو کسرہ دیا تو **اضحیۃ** ہو گیا۔

لغت میں اضحیہ اس جانور کو کہتے ہیں جو ایام الاضحیٰ میں ذبح کیا جاتا ہے۔

شرعی اصطلاح میں مخصوص حیوان کو مخصوص وقت میں مخصوص دن میں ذبح کرنا یہ اضحیہ ہے۔

شرعی حیثیت

امام ابو حنیفہ، امام محمد، امام زفر اور امام حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت کے مطابق ہر آزاد مسلمان مقیم، مالدار پر قربانی کرنا واجب ہے جبکہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق قربانی سنت ہے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہے اور صاحبین کے نزدیک سنت مؤکدہ۔

سنت ہونے کی دلیل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ہے "تم میں سے جو شخص قربانی کا ارادہ کرے وہ اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے" تو یہاں لفظ ارادہ استعمال کیا گیا جو وجوب کے منافی ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ مالی وظائف میں مقیم اور مسافر کے درمیان فرق نہیں ہوتا جیسے زکوٰۃ دونوں پر فرض ہوتی ہے لہٰذا اگر قربانی واجب ہوتی تو مسافر پر بھی واجب ہوتی۔

وجوب کی دلیل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے "جو شخص فراخی کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے" اور اس قسم کی وعید غیر واجب کے چھوڑنے پر نہیں ہوتی۔

نیز وجوب کی عقلی دلیل یہ ہے کہ یہ ایک ایسی قربت ہے جس کی طرف وقت کی اضافت کی گئی ہے۔ اضافت اختصاص کے لئے ہوتی ہے اور اختصاص کے لئے وجود ضروری ہے اور وجود کا پایا جانا وجوب کے بغیر نہیں ہو سکتا لہٰذا معلوم ہوا کہ قربانی واجب ہے۔

جہاں تک مسافر پر واجب ہونے کا تعلق ہے تو چونکہ قربانی کا ساز و سامان مسافر کے لئے مہیا کرنا مشکل ہوتا ہے اس لئے اسے مستثنیٰ کیا گیا۔

آزادی کی قید اس لئے ہے کہ یہ مالی عبادت ہے جس کے لئے مالک ہونا ضروری ہے اور غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔

مسلمان ہونے کی شرط اس لئے ہے کہ یہ عبادت ہے۔

مقیم ہونے کی شرط اس لئے لگائی گئی ہے کہ مسافر کے لئے قربانی کرنا مشکل ہوتا ہے۔

اور مالداری سے مراد اس نصاب کا پایا جانا ہے جس سے صدقہ فطر واجب ہوتا ہے اور یہ شرط اس لئے رکھی گئی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کو اس کے ساتھ مشروط کیا جیسا کہ اوپر حدیث شریف گذر چکی ہے۔

نابالغ بچوں کی طرف سے قربانی

بچوں کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ان کا ذاتی مال نہ ہو۔ اس سلسلے میں امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں۔ امام حسن کی روایت کے مطابق ان کی طرف سے قربانی دینا واجب ہے کیونکہ باپ کے ولی ہونے کی وجہ سے بیٹا باپ کے حکم میں آجاتا ہے۔ امام صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے دوسری روایت جو ظاہر روایت ہے یہ ہے کہ بچوں کی طرف سے قربانی واجب نہیں ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ محض قربت ہے اور قربت میں قاعدہ یہ ہے کہ وہ کسی شخص پر دوسرے کی وجہ سے واجب نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ غلام کی طرف سے بھی قربانی مالک پر واجب نہیں ہے۔ جہاں تک صدقہ فطر کا تعلق ہے تو اس میں سبب وہ اشخاص ہیں جن کی ولایت اس شخص کو حاصل ہے اور یہ ان کی مشقت برداشت کرتا ہے لہٰذا ان کی موجودگی وجوب کا سبب بنتی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ چھوٹے بچوں کا اپنا ذاتی مال ہو۔ اس صورت میں بھی قربانی واجب نہیں ہے لیکن قربانی دینا چاہیں تو کس مال میں سے دیں اس میں اختلاف ہے۔ شیخین کے نزدیک اس کا باپ یا وصی اس بچے کے مال میں سے دے جبکہ امام محمدؒ امام شافعی اور امام زفر رحمہم اللہ کے نزدیک اپنے مال میں سے دے بچے کے مال میں سے نہ دے۔

صحیح قول یہ ہے کہ بچے کے مال میں سے قربانی دی جائے اور اس کا گوشت جس قدر ممکن ہو بچہ کھائے اور باقی گوشت بیچ کر کوئی ایسی چیز خریدی جائے جس

سے نفع اٹھایا جاسکتا ہو۔

قربانی کے جانور میں شرکت

بکری یا بھیڑ کی قربانی ایک آدمی کی طرف سے جائز ہے جب کہ گائے اور اونٹ کی قربانی میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ کسی بھی جانور کی قربانی میں ایک سے زائد افراد شریک نہ ہوں کیونکہ یہ عبادت ہے لہٰذا اس میں انفرادیت چاہیے۔ لیکن ہم نے گائے اور اونٹ کے بارے میں مروی حدیث کی وجہ سے یہاں قیاس پر عمل چھوڑ دیا۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گائے کی قربانی اور اونٹ کی قربانی سات آدمیوں کی طرف سے کی۔

یہاں بنیادی بات یہ ہے کہ شرکاء میں سے کسی کا حصہ ساتویں سے کم نہیں ہونا چاہئے کیونکہ حدیث شریف کی رو سے گائے یا قربانی کا ساتواں حصہ ایک نفس کی عبادت قرار پاتا ہے لہٰذا نہ تو اس میں سات سے زائد افراد شریک ہو سکتے ہیں اور نہ حصوں کی تقسیم یوں کی جاسکتی ہے کہ کسی کا حصہ ساتویں سے کم ہو۔ اس صورت میں کسی کی قربانی بھی نہیں ہوگی۔

امام مالک کا اختلاف

امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک ایک گھر والوں کی طرف سے ایک جانور کی قربانی جائز ہے اگرچہ وہ سات سے زیادہ ہوں۔ جبکہ دو گھر والوں کی طرف سے جائز نہیں ہے اگرچہ سات سے کم ہوں۔

ان کی دلیل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک ہے "ہر

گھر والوں پر ہر سال میں ایک قربانی اور عتیرہ ہے۔"

اس حدیث کا جواب یوں دیا جاتا ہے کہ ہر گھر والوں کے منتظم پر قربانی واجب ہے اور اس کی تائید اس حدیث شریف سے ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا "ہر مسلمان پر ہر سال میں ایک قربانی اور ایک عتیرہ ہے۔"

گوشت کی تقسیم

چونکہ گوشت وزنی چیز ہے لہٰذا اس کی تقسیم وزن کے ساتھ کی جائے ورنہ کمی، زیادتی کا خدشہ ہو گا۔ البتہ اگر گوشت کے ساتھ سری، پائے، کھال وغیرہ مختلف حصوں میں تقسیم کر کے رکھ دیا جائے تو اندازے سے تقسیم بھی جائز ہو جائے گی کیونکہ اب جنس کی تبدیلی سے سود والا خدشہ باقی نہیں رہے گا۔

(نوٹ) فقہاء کرام اس تقسیم کو مبادلۃ المال بالمال کی طرح قرار دیتے ہیں جس میں کیلی اور وزنی چیز برابر برابر لینا، دینا ضروری ہوتا ہے۔

خریدے ہوئے جانور میں دوسروں کو شریک کرنا

اگر کوئی شخص اپنی طرف سے قربانی کی نیت سے گائے خریدے پھر اس میں باقی حضرات کو شریک کر لے تو ایسا کرنا استحساناً جائز ہے کیونکہ بعض اوقات ایک اچھا جانور حاصل ہوتا ہے اور شرکاء حاصل نہیں ہوتے۔

امام زفر رحمتہ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں چونکہ یہ عبادت ہے اور اس نے اسے عبادت کے لئے تیار کیا لہٰذا اب اسے مال حاصل کرنے کے لئے بیچنا صحیح نہیں ہے۔ قیاس بھی امام زفر رحمتہ اللہ علیہ کی تائید کرتا ہے۔ اس کے جواب میں دیگر ائمہ کرام فرماتے ہیں کہ قربانی کے لئے جانور کو خریدنے سے اسے بیچنا منع نہیں ہے جبکہ یہاں تو اس کے کچھ حصے کو بیچ رہا ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ایک روایت میں خریدنے کے بعد کسی کو شریک کرنا مکروہ قرار دیا گیا ہے۔

قربانی کا وقت

عیدالاضحیٰ کے دن طلوع فجر سے قربانی کا وقت شروع ہو جاتا ہے البتہ شہروں میں چونکہ عید کی نماز پڑھی جاتی ہے لہٰذا ان کے لئے نماز عید سے پہلے قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جس نے نماز سے پہلے ذبح کیا وہ دوبارہ ذبح کرے اور جس نے نماز کے بعد ذبح کیا اس کی عبادت مکمل ہو گئی اور اس نے مسلمانوں کا طریقہ پالیا۔"

نیز آپ نے فرمایا "آج کے دن ہماری سب سے پہلی عبادت نماز (نماز عید) ہے پھر قربانی۔"

عقلی دلیل یہ ہے کہ اگر شہری نماز سے پہلے قربانی میں مشغول ہو جائے تو نماز میں تاخیر ہو سکتی ہے جبکہ دیہاتی کے لئے کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے۔

امام مالک اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہما کا اختلاف

آپ دونوں فرماتے ہیں کہ جس طرح عید کی نماز سے پہلے قربانی نہیں کر سکتا اسی طرح امام کے قربانی کرنے سے پہلے بھی دوسروں کے لئے قربانی کرنا جائز نہیں۔ یعنی نماز عید کے بعد پہلے امام قربانی کرے پھر دوسرے لوگ۔ ان کے خلاف ہماری دلیل مذکورہ بالا حدیث شریف ہے کہ اس میں نماز عید کی قید تو ہے لیکن امام کی قربانی کی قید نہیں ہے۔

(نوٹ) دیہاتی اور شہری کا جو تفاوت ہے یہ جانور کے اعتبار سے ہے یعنی جہاں قربانی والا جانور ہو گا اس کے مطابق نماز عید سے پہلے یا بعد قربانی کی جائے

گی۔ قربانی کرنے والا خود جہاں بھی ہو کیونکہ زکوٰۃ کی طرح قربانی میں جانور کا اعتبار ہوتا ہے مثلاً قربانی کے دن گزرنے سے پہلے مال ہلاک ہو جائے تو قربانی ساقط ہو جاتی ہے جس طرح نصاب کی ہلاکت سے زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے لہٰذا یہاں فاعل کے مکان کا اعتبار نہیں ہو گا بلکہ محل یعنی جانور کے مکان کا اعتبار ہو گا۔

اگر عید گاہ میں نماز ہو جائے اور مسجد میں نہ ہو یا مسجد میں ہو جائے اور عید گاہ میں نہ ہو تو دونوں صورتوں میں کسی ایک جگہ نماز ہو جانے سے قربانی کرنا جائز ہو جاتا ہے۔

ایام قربانی

ہمارے نزدیک قربانی کے تین دن ہیں۔ یوم نحر اور اس کے بعد دو دن اس کی دلیل حضرت عمرؓ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایت ہے۔ فرماتے ہیں "قربانی کے تین دن ہیں اور ان میں سے پہلا دن افضل ہے" اگرچہ بظاہر یہ حدیث موقوف ہے لیکن مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ مقادیر میں رائے کا کوئی دخل نہیں۔ لہٰذا ان حضرات نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن کر بیان فرمایا۔ حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک قربانی کے چار دن ہیں۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تمام ایام تشریق ذبح کے دن ہیں" چونکہ روایات میں تعارض ہے لہٰذا احناف نے یقینی بات پر عمل کیا اور وہ تین دن ہیں۔

(نوٹ) رات کے وقت قربانی کرنا مکروہ ہے کیونکہ اندھیرے کی وجہ سے غلطی کا احتمال ہوتا ہے۔

قربانی افضل ہے یا صدقہ

قربانی کے دنوں میں قربانی کی قیمت صدقہ کرنے کی بجائے قربانی کرنا افضل

ہے اس کی دو وجوہیں ہیں۔

ایک یہ کہ قربانی واجب ہے یا سنت۔ جبکہ صدقہ محض نفل ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ صدقہ تو کسی بھی وقت کیا جا سکتا ہے جبکہ قربانی کے لئے ایک مخصوص وقت ہے لہٰذا جس طرح غیر مکی کے لئے نفلی نماز کی بجائے طواف کرنا افضل ہے اسی طرح قربانی کے دنوں میں قربانی کرنا صدقہ کی نسبت افضل ہو گا۔

اگر قربانی نہ کر سکے؟

قربانی کے دن گزر جائیں اور قربانی نہ کی ہو تو اب اس کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ نذر مانی تھی

۲۔ فقیر نے قربانی کے لئے جانور خریدا تھا

۳۔ امیر نے قربانی نہیں کی۔ جانور خریدا یا نہیں خریدا

پہلی دو صورتوں میں یعنی جب نذر مان کر اپنے اوپر واجب کی چاہے وہ امیر تھا یا غریب اسی طرح فقیر نے جانور خرید لیا تھا تو اب اس جانور کو زندہ صدقہ کر دے۔ جبکہ تیسری صورت میں جانور کی قیمت صدقہ کر دی جائے۔ وجہ فرق یہ ہے کہ پہلی دو صورتوں میں شریعت کی طرف سے نہیں بلکہ خود اپنی طرف سے اپنے اوپر جانور کی قربانی واجب کی لہٰذا وہ جانور ہی دینا ہو گا اور تیسری صورت میں شریعت کی طرف سے واجب تھی لہٰذا قربانی کے دن نکل جانے کی صورت میں اس کی قیمت صدقہ کی جائے کیونکہ یہاں کوئی معین جانور اس پر واجب نہیں تھا۔

قربانی کا جانور

قربانی کا جانور عیب سے پاک ہونا چاہئے لہٰذا اندھا' کانا' ایسا لنگڑا جو قربان گاہ

تک نہ جاسکے اور ایسا کمزور جس کی ہڈیوں میں مغز نہ رہا ہو۔ جس جانور کا کان اور دم کٹی ہوئی ہو یا کان اور دم کا اکثر حصہ باقی نہ رہا ہو ان جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "قربانی میں چار قسم کے جانور جائز نہیں ہیں۔

۱۔ جس کا اندھاپن ظاہر ہو

۲۔ لنگڑاپن ظاہر ہو

۳۔ ایسا بیمار جس کی بیماری ظاہر ہو

۴۔ اور ایسا کمزور جس میں مغز باقی نہ رہا ہو"۔

نیز آپ نے فرمایا " آنکھ اور کان کا خیال رکھو"

اکثر کی مقدار میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مروی اختلاف

جامع صغیر میں امام صاحب سے یوں روایت آئی ہے کہ اگر دم یا کان یا آنکھ یا سرین کا تہائی حصہ یا اس سے کم کٹا ہو تو قربانی جائز ہے ورنہ نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مرنے والے کے مال کے تہائی حصے میں ورثاء کی مرضی کے بغیر بھی وصیت نافذ ہو جاتی ہے اور اس سے زیادہ میں نافذ نہیں ہوتی معلوم ہوا کہ تہائی قلیل میں شامل ہے۔

آپ رحمتہ اللہ علیہ سے ایک روایت میں یوں مروی ہے کہ چوتھائی حصہ کٹا ہو تو ناجائز ہے اس سے کم ہو تو جائز ہے کیونکہ چوتھے حصے کو کامل عضو کی جگہ رکھا جاتا ہے جیسے سر کے مسح میں چوتھائی سارے سر کی جگہ آجاتی ہے۔

اور آپ سے ہی ایک روایت یوں آئی ہے کہ تیسرا حصہ کثیر میں داخل ہے لہٰذا اس سے کم کٹا ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "وصیت مال کی تہائی حصے میں ہے اور تہائی بھی زیادہ ہے۔"

صاحبین کا مذہب

صاحبین فرماتے ہیں کہ جب کان یا دم کا نصف سے زیادہ باقی ہو تو جائز ہے اس کی قربانی اور نصف سے کم ہو تو ناجائز ہے کیونکہ ان کے نزدیک قلیل اور کثیر کی حقیقت یہی ہے یعنی جو نصف سے بڑھ جائے وہ کثیر ہو گا کیونکہ اس کے مقابلے میں قلیل ہے لہٰذا صاحبین کے نزدیک اکثر سے مراد نصف سے زیادہ اور اقل سے مراد نصف سے کم ہے۔

کونسا عیب غیر معتبر ہے؟

جانور کے سینگ نہ ہوں یا اس کا سینگ ٹوٹا ہوا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے کیونکہ سینگ کے ساتھ کسی مقصود کا تعلق نہیں ہے جیسے اونٹ کا سینگ نہیں ہوتا لیکن اس کی قربانی جائز ہے خصی جانور کی قربانی بھی جائز ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو خصی مینڈھوں کی قربانی فرمائی نیز اس کا گوشت لذیذ ہوتا ہے۔ مجنون جانور چارہ کھاتا ہو قربانی جائز ہے ورنہ نہیں۔ خارشی جانور موٹا تازہ ہو تو قربانی جائز ہے کیونکہ خارش کھال میں ہوتی ہے اگر وہ کمزور ہو تو جائز نہیں ہے کیونکہ اب خارش کا تعلق اس کے گوشت کے ساتھ ہے لہٰذا وہ ناقص ہے۔

دانت نہ ہوں یا زیادہ دانت ٹوٹے ہوئے ہوں تو قربانی جائز نہیں ہے یہ امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے اور انہی کا ایک قول یہ ہے کہ اگر اتنے دانت باقی ہوں جن سے وہ چارہ کھا سکتا ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں۔

جانور کے کان پیدائشی طور پر نہ ہوں تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کانوں کی سلامتی کا خیال رکھنے کا حکم دیا ہے تو جب کان کٹے کی قربانی جائز نہیں ہے تو جس کے کان بالکل نہ ہوں اس کی قربانی

بدرجہ اولی ناجائز ہو گی۔

عیب پیدا ہونے کا وقت

جن عیوب کی وجہ سے قربانی ناجائز ہوتی ہے ان عیوب کے پیدا ہونے کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ خریدتے وقت یہ عیب موجود تھا۔ اس جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔

۲۔ خریدتے وقت جانور صحیح تھا بعد میں کوئی ایسا عیب پیدا ہو گیا جو قربانی سے مانع ہے تو اگر وہ شخص غنی ہے تو اس پر دوسرا جانور خریدنا لازم ہے اور اگر وہ فقیر ہو تو اس کو یہی کفایت کرے گا۔ کیونکہ مالدار پر شریعت نے ابتدا قربانی واجب کی ہے۔ خریدنے سے واجب نہیں ہوئی لہٰذا یہ جانور معین نہیں ہے جبکہ فقیر پر از روئے شرع واجب نہیں تھی۔ اس کے خریدنے سے واجب ہوئی لہٰذا یہ جانور متعین ہو گیا اور اسی کی قربانی کرے گا۔

۳۔ ذبح کرتے وقت جانور کو لٹایا اور اس کی حرکت سے کوئی عیب پیدا ہو گیا احناف کے نزدیک استحساناً" اس کی قربانی جائز ہے کیونکہ حالت ذبح اور مقدمات ذبح یہ ذبح ہی قرار پاتے ہیں گویا یہ عیب ذبح کی وجہ سے ہی پیدا ہوا۔ اس مسئلے میں امام زفر اور امام شافعی رحمہما اللہ کا اختلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ عیب ذبح سے پہلے پیدا ہوئے اگر اس صورت میں جانور اٹھ کر بھاگ جائے پھر اسے پکڑ کر لایا جائے تو بھی اس کی قربانی جائز ہے البتہ امام ابویوسف رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک اگر فوری طور پر نہ پکڑا جائے تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔

(نوٹ) اگر قربانی کا جانور مر جائے یا گم ہو جائے یا چوری ہو جائے تو غنی پر دوسرا جانور خرید کر قربانی کرنا لازمی ہے۔ فقیر پر لازم نہیں ہے البتہ گم ہونے یا چوری ہونے کی صورت میں دوسرا جانور خرید لیا پھر پہلا جانور بھی مل گیا تو مالدار

ایک کی قربانی کرے گا۔ کیونکہ اس پر شریعت کی طرف سے واجب ہے اور وہ ایک ہی قربانی ہے جب کہ فقیر دونوں کی قربانی کرے گا کیونکہ اس پر خریدنے کی وجہ سے واجب ہوئی ہے اور اس نے ان دونوں کو خریدا ہے لہٰذا دونوں کی قربانی واجب ہو گی۔

قربانی کے جانور اور ان کی عمریں

قربانی کے لئے تین قسم کے جانور مختص ہیں۔ اونٹ، گائے، بکری، بیل، بھینس، بھینسا، بھیڑ، دنبہ، چھترا وغیرہ ان میں شامل ہیں۔ ان تمام جانوروں میں سے "ثنی" یا اس سے زائد عمر کے جانور کی قربانی جائز ہے البتہ بھیڑ کا چھ مہینے کا بچہ موٹا تازہ ہو تو اس کی قربانی بھی جائز ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ثنیا کی قربانی کرو۔ البتہ اگر تم میں سے کسی ایک کے لئے مشکل ہو تو وہ بھیڑ کے چھ مہینے کے بچے کی قربانی کرے"۔ ثنیا بکری اور بھیڑ وغیرہ سے ایک سال، گائے وغیرہ سے دو سال اور اونٹ سے پانچ سال کے جانوروں کو کہتے ہیں۔

شرکاء قربانی کی نیت اور کسی شریک کا انتقال کر جانا

قربانی کے شرکاء میں سے اگر کوئی شریک مر جائے تو ورثاء سے اجازت لینا ضروری ہے اگر ان سے اجازت نہ لی تو کسی کی قربانی بھی نہیں ہو گی کیونکہ بعض کی طرف سے قربت اور بعض کی طرف سے غیر قربت نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ قربت کے حق میں خون بہانا تقسیم نہیں ہوتا۔ یا تو سب کی طرف سے قربت ہو گی یا کسی کی طرف سے نہیں ہو گی۔ اس لئے اگر کوئی شریک غیر مسلم ہو یا ایسا شریک ہو جس کا مقصد محض گوشت کا حصول ہے تو کسی کی قربانی بھی جائز نہیں ہو گی۔

مرنے والے شخص کی طرف سے ورثاء کی اجازت کے سلسلے میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ امام ابویوسف رحمتہ اللہ علیہ کی ایک روایت کے مطابق

اجازت کے باوجود یہ قربانی جائز نہیں اور یہی قیاس ہے کیونکہ مال کو ہلاک کرنے کے ذریعے غیر کی طرف سے نیکی کرنا نہیں ہے جیسے میت کی طرف سے کوئی غلام آزاد کرنا جائز نہیں ہے۔

دیگر ائمہ استحسان پر عمل کرتے ہیں اور ان کی طرف سے یہ جواب دیا جاتا ہے کہ بعض اوقات میت کی طرف سے قربت بھی واقع ہو جاتی ہے جیسے صدقہ کرنا جہاں تک آزاد کرنے کا تعلق ہے تو چونکہ اس میں آزاد کرنے والے کے لئے ولاء ثابت ہوتی ہے اور یہ شخص مرچکا ہے اس لئے اس کی طرف سے غلام آزاد کرنا جائز نہیں۔

(نوٹ) چونکہ قربت مالیہ غیر کی طرف سے جائز ہے اس لئے اگر ورثاء میں یا شرکاء میں کوئی بچہ ام ولد ہو تو بچے کے والد اور ام ولد کے مالک کی طرف سے اجازت کے ساتھ ان کی شرکت جائز ہو جائے گی۔

گوشت اور کھال کا حکم

قربانی کے گوشت سے خود بھی کھا سکتے ہیں' مالدار اور فقراء کو بھی کھلا سکتے ہیں اور جمع بھی کر سکتے ہیں کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں تمہیں قربانیوں کا گوشت کھانے سے منع کرتا تھا پس تم اسے کھاؤ اور جمع کرو۔" تو جب قربانی کرنے والے کے لئے اس کا کھانا جائز ہے اگرچہ وہ غنی ہو تو غنی کو وہ کھلا بھی سکتا ہے۔ نیز جو گوشت صدقہ کیا جائے مستحب یہ ہے کہ وہ تہائی سے کم نہ ہو کیونکہ اس گوشت کے لئے تین مصرف بیان کئے گئے ہیں۔ کھانا' جمع کرنا اور کھلانا۔ لہٰذا جو گوشت کھلایا جائے وہ کم از کم تہائی حصہ ہو۔

قربانی کی کھال فروخت کر کے اس کی قیمت اپنے کسی کام میں نہیں لاسکتا! تو کھال صدقہ کر دی جائے یا اس سے کوئی ایسی چیز بنائی جائے جسے گھر میں استعمال

کرے مثلاً مشکیزہ وغیرہ۔ یا اس کے بدلے میں کوئی ایسی چیز خریدی جائے جو گھر میں استعمال ہو سکے کیونکہ یہ چیز اس کھال کا بدل ہو گی اور بدل کا وہی حکم ہے جو اصل (مبدل) کا ہے۔ البتہ اس سے کوئی ایسی چیز خرید کر استعمال کرنا جائز نہیں ہے جس کو ختم کر کے نفع اٹھایا جائے جیسے سرکہ وغیرہ۔ گویا اصل بات یہ ہے کہ مالداری کے ارادے سے اس میں تصرف جائز نہیں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک ارشاد کی روشنی میں قربانی کی کھال قصاب کی اجرت میں نہیں دی جاسکتی کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا کھال کو بیچنا اور پھر اس کی قیمت کو قصاب کی اجرت میں دینا ہے۔ چونکہ قربانی کے جانور کو تمام اجزاء کے ساتھ قربت اختیار کرنے کا التزام کیا گیا ہے لہٰذا اس کی اون اور دودھ وغیرہ سے نفع حاصل کرنا مکروہ ہے۔ البتہ ذبح کے بعد اون وغیرہ کو اپنے استعمال میں لاسکتا ہے۔

جانور کو ذبح کرنا

بہتر یہ ہے کہ قربانی کا جانور خود ذبح کرے اور اگر اچھی طرح ذبح نہ کر سکتا ہو تو دوسرے سے مدد حاصل کرے۔ لیکن اس کے پاس کھڑا ہو کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا "اپنی قربانی کے پاس حاضر رہو کیونکہ اس کے خون کے پہلے قطرے کے ساتھ ہی تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔"

اہل کتاب کا ذبح کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ ایک عبادت ہے اور وہ اس کے اہل نہیں ہیں۔ اگر مالک کے حکم سے کسی کتابی نے جانور کو ذبح کیا تو جائز ہے کیونکہ وہ ذبح کا اہل بھی ہے اور مالک کی نیت سے وہ اس کا نائب بن جائے گا۔ البتہ مجوسی اجازت سے بھی ذبح نہیں کر سکتا کیونکہ وہ ذبح کا اہل ہی نہیں ہے۔

ایک دوسرے کے جانور کو غلطی سے ذبح کرنا

اگر دو شخص ایک دوسرے کے جانور کو غلطی سے ذبح کر دیں تو استحساناً ہر ایک کی قربانی جائز ہو گی اور ان پر ضمان بھی نہیں ہو گی۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ قیاس پر عمل کرتے ہیں یعنی ان کے نزدیک یہ قربانی جائز نہیں ہے کیونکہ دوسرے کی قربانی کو اس کی اجازت کے بغیر ذبح کرنا جائز نہیں ہے اور ذبح کرنے والا اس کی قیمت کا ضامن ہو گا۔

استحسان کی وجہ یہ ہے کہ یہ جانور قربانی کے لئے متعین ہونے کی وجہ سے ذبح کے لئے متعین ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ قربانی کے دنوں میں بعینہ اس جانور کو ذبح کرنا واجب ہے لہٰذا ہم یوں سمجھیں گے کہ مالک نے ایک ایسے آدمی سے ذبح پر مدد حاصل کی اور اجازت دی جو ذبح کا اہل ہے۔

اگرچہ یہاں ایک مستحب فوت ہو رہا ہے یعنی مالک کا ذبح کے وقت حاضر ہونا لیکن اس صورت میں اسے متعین جانور کی قربانی اور ایام نحر میں ہی قربانی کا ہونا یہ دو باتیں بھی مستحب ہیں جو اسے حاصل ہو رہی ہیں۔

اس قسم کے کئی دیگر مسائل ہیں جہاں ہمارے ائمہ کرام نے استحساناً جواز کا فتویٰ دیا اور ضمان لازم نہیں کی ہے۔ مثلاً قصاب نے ذبح کرنے کے لئے بکری کے پاؤں باندھے اور کسی نے آکر اسے ذبح کر دیا۔ کسی نے چکی کے صندوق میں دانے ڈال کر جانور کو اس کے ساتھ باندھ دیا اور دوسرے شخص نے آکر اسے چلا دیا جس سے دانے پس گئے اور اس قسم کی کئی اور مثالیں ہیں۔ تو ان تمام صورتوں میں چونکہ دوسرے آدمی نے اس کا کوئی نقصان نہیں کیا بلکہ اس کے مقصد کو پورا کیا ہے لہٰذا وہ ضامن نہیں ہو گا۔

اب اس قربانی والی صورت میں دونوں میں سے ہر ایک مذبوحہ بکری کا

شت لے لے اور اگر دونوں کھا چکے ہوں تو ایک دوسرے کے لئے حلال قرار دے دیں اور اگر ان میں جھگڑا پیدا ہو جائے تو ایک دوسرے کو گوشت کی قیمت دے دیں جسے صدقہ کر دیا جائے۔

(نوٹ) اگر کسی شخص نے بکری غصب کر کے اس کی قربانی کر دی تو یہ جائز ہے لیکن اس پر تاوان ہو گا۔ قربانی اس لئے جائز ہے کہ تاوان کی صورت میں وہ غصب کے دن سے مالک قرار پائے گا۔ لہٰذا قربانی کے وقت وہ مالک تھا۔ اور اگر وہ بکری اس کے پاس کسی کی امانت ہو تو چونکہ یہ ملک اسے ذبح کے بعد حاصل ہو گی لہٰذا اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔

سوالات

۱- قربانی کی شرعی حیثیت واضح کریں۔ ائمہ کے درمیان اختلاف مع دلائل نقل کریں اور احناف کے مسلک کی ترجیح بیان کریں۔

۲- ایک شخص پر قربانی کن کن افراد کی طرف سے واجب ہوتی ہے؟ اختلاف ائمہ کی روشنی میں تحریر کریں۔

۳- ایک جانور میں کئی افراد کی شرکت کے سلسلے میں جامع و مدلل نوٹ لکھیں۔

۴- قربانی کا وقت کونسا ہے شہری اور دیہاتی کے لئے وقت کی تقسیم کا ضابطہ نقل کریں نیز قربانی کتنے دن تک ہو سکتی ہے اس سلسلے میں احناف اور شوافع کے درمیان اختلاف مع دلائل ذکر کرتے ہوئے فقہ حنفی کی ترجیح ثابت کریں۔

۵- قربانی کے جانوروں کی جنس اور عیب سے مبرا ہونے کے بارے میں ایک جامع اور بنیادی امور پر مشتمل نوٹ لکھیں۔

۶- شرکاء قربانی میں سے کسی کا مرجانا یا کسی شریک کا نصرانی ہونا یا محض گوشت کھانے کی نیت کرنا ہو تو اس سلسلے میں شرعی حکم کیا ہو گا؟

۷- قربانی کے گوشت اور کھال وغیرہ کے بارے میں شرعی حکم واضح کریں۔

۸- دو شخص غلطی سے ایک دوسرے کے جانور ذبح کر دیں تو کیا کیا جائے گا؟ استحسان و قیاس کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے معمول بہ کی وضاحت کریں۔

۹- مغصوبہ جانور کی قربانی نیز اہل کتاب کے ذبح کے بارے میں شریعت مطہرہ کا حکم کیا ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کراہیت کا بیان

کراہیت کالغوی معنی

کراہیت کالغوی معنی ناپسندیدہ بات ہے۔ یہ رضا اور ارادے کی ضد ہے۔

شرعی اعتبار سے اس کی تعریف میں اختلاف ہے۔ امام محمد رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک اگر نص قطعی پائی جائے تو یہ حرام ہو گا اور اگر نص قطعی نہ ہو تو اس پر حرام کا اطلاق نہیں ہو گا۔ شیخین کے نزدیک مکروہ' حرام کے قریب ہوتا ہے اور اس کا مرتکب سزا کا مستحق ہوتا ہے۔

کتاب الکراہیتہ میں مندرجہ ذیل امور سے بحث کی گئی ہے۔

۱- کافر اور فاسق وغیرہ کی خبر کا حکم۔

۲- سونے اور چاندی نیز دوسری دھاتوں کے برتنوں میں کھانے پینے وغیرہ کا حکم۔

۳- کرسی' چارپائی اور زین وغیرہ جن کے ساتھ سونا جڑا ہوا ہو ان کا حکم۔

۴- کسی دعوت میں لہو و لعب کا اہتمام ہو تو اس میں شرکت کا مسئلہ۔
ریشمی لباس نیز سونے چاندی اور دیگر دھاتوں کے زیورات کا مردوں کے

لئے استعمال۔

۵۔ عورت کی طرف دیکھنے اور اسے چھونے کے تفصیلی احکامات۔ مرد کا مرد کی طرف اس صورت میں دیکھنا کہ اس کے جسم کا وہ حصہ ننگا ہو جسے ڈھانپنا ضروری نہیں ہے۔

۶۔ اسی طرح اسی حالت میں عورت کا عورت کی طرف دیکھنا' ہاتھ لگانا' نیز معانقہ' بوسہ دینا اور مصافحہ وغیرہ کا شرعی حکم۔

۷۔ خرید و فروخت کے سلسلے میں مکروہ اور غیرمکروہ امور کی تفصیل۔ ذخیرہ اندوزی' مہنگائی اور کوئی چیز کرایہ پر دینے' لینے کے لئے شرعی احکام اور اس کے علاوہ کچھ متفرق مسائل۔

کھانا پینا

امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک گدھوں کا گوشت کھانا' گدھی کا دودھ اور اونٹ کا پیشاب پینا مکروہ ہے۔ صاحبین کے نزدیک اونٹ کا پیشاب پینے میں کوئی حرج نہیں۔ امام ابویوسف رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک یہ (شرب بول) دوا کے طور پر جائز ہے جبکہ امام محمد رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک پاک ہونے کی وجہ سے مطلقاً جائز ہے اور دودھ گوشت سے پیدا ہوتا ہے لہٰذا ان کے نزدیک اس کا وہی حکم ہے جو گوشت کا ہے۔

سونے چاندی وغیرہ کے برتن

سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا' ان سے خوشبو لگانا اور تیل لگانا مردوں اور عورتوں سب کے لئے ناجائز ہے۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایسے شخص کے بارے میں جو سونے اور چاندی کے برتن میں پیتا تھا فرمایا "وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ ڈال رہا ہے۔"

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس چاندی کے برتن میں مشروب لایا گیا تو آپ نے قبول نہ فرمایا اور بتایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہمیں اس سے منع فرمایا ہے۔ جامع صغیر میں اسے مکروہ کہا اور اس سے مراد تحریم ہے۔ نہی کے عموم کی وجہ سے مرد اور عورت دونوں کے لئے حرمت ہے۔ نیز سونے چاندی کے چمچے' سرمہ سلائی' سرمہ دانی' شیشہ اور قلم دوات وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے۔ تانبے اور شیشے وغیرہ کے برتنوں میں کھانا جائز ہے۔ البتہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک یہ مکروہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ان برتنوں میں کھانے کی وجہ تفاخر کا اظہار ہے لہٰذا یہ سونے اور چاندی کے برتنوں کے حکم میں ہیں۔ احناف کی طرف سے یہ جواب دیا جاتا ہے کہ مشرکین عرب صرف سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانے پر فخر کرتے تھے لہٰذا دوسرے برتنوں کے استعمال میں وہ علت نہیں پائی جاتی۔

سونے اور چاندی سے مرصع اشیاء کا استعمال

جس برتن کے ساتھ چاندی جڑی ہوئی ہو زین' کرسی اور چارپائی وغیرہ کے ساتھ سونا' چاندی جڑے ہوئے ہوں تو ان کے استعمال میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک اگر سونے اور چاندی والی جگہ سے اپنے منہ اور ہاتھ کو بچائے اس طرح وہاں نہ بیٹھے تو جائز ہے۔ امام ابویوسف رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک بہرحال مکروہ ہے۔ امام محمد رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں دو قول ہیں۔ ایک قول کے مطابق آپ امام صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں اور دوسرے قول کے مطابق آپ امام ابویوسف رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں۔ کرسی' تلوار' چھری تیز کرنے والا پتھر' شیشے کا حلقہ وغیرہ کو سونے یا چاندی کی تار سے

باندھا گیا ہو' گھوڑے کی لگام اور رکاب وغیرہ میں سونا چاندی لگایا گیا ہو یا کپڑے پر سونے چاندی کے ساتھ کتابت کی گئی ہو تو اس میں بھی یہی اختلاف ہے۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ کسی چیز کا ایک جزو استعمال کرنا پوری چیز کو استعمال کرنا ہے لہٰذا یہ مکروہ ہو گا جبکہ امام صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں سونا اور چاندی تابع ہیں اور توابع کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا جس طرح جبّے کا ریشمی حاشیہ' کپڑے میں ریشمی بیل بوٹے' نگینے میں سونے کا کیل وغیرہ مکروہ نہیں ہیں۔ اس طرح یہ بھی مکروہ نہیں ہے۔

یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب سونا اور چاندی اس چیز سے الگ کئے جا سکتے ہوں اگر یوں ملمع کیا گیا کہ الگ نہیں ہو سکتے تو اب اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہاں سونے اور چاندی کو ہلاک کر دیا گیا۔

غیر مسلم یا فاسق کی خبر

کافر کا قول معاملات میں مقبول ہے کیونکہ یہ صحیح خبر ہے جو ایک ایسے آدمی نے دی ہے جو عقل مند بھی ہے اور تمام ادیان میں جھوٹ کے حرام ہونے کی وجہ سے وہ جھوٹ کی حرمت کا اعتقاد بھی رکھتا ہے۔ نیز معاملات کے اکثر واقع ہونے کی وجہ سے اس خبر کو قبول کرنا انسانی حاجت میں داخل ہے لہٰذا اگر کسی شخص کا مجوسی غلام گوشت خریدنے کے لئے بھیجا گیا اور اس نے بتایا کہ یہ مسلمان یا یہودی یا عیسائی سے خریدا ہے تو اس گوشت کا کھانا جائز ہے اور اگر اس نے ان تینوں کے علاوہ کسی اور مذہب والے سے خریدنے کی اطلاع دی تو اس کا کھانا جائز نہیں ہو گا۔ کیونکہ جب گوشت کی حلت (پہلی صورت) کے سلسلے میں اس کی بات مقبول ہے تو گوشت کے حرام ہونے (دوسری صورت) کے بارے میں یہ بات بدرجہ اولیٰ معتبر ہو گی۔ تحفہ وغیرہ بچوں کے ہاتھ سے وصول کرنا جائز ہے کیونکہ

عام طور پر یہ چیزیں بچوں کے ہاتھ بھیجی جاتی ہیں۔

فاسق کی بات معاملات میں معتبر ہے لیکن عبادات (دیانات) کے بارے میں صرف عادل کی بات معتبر ہو گی چاہے وہ آزاد ہو یا غلام یا لونڈی۔ اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ معاملات کا وجود زیادہ ہوتا ہے اور اگر عدل کی شرط لگائی جائے تو اس سے حرج پیدا ہوتا ہے لہٰذا معاملات میں ایک آدمی کی بات معتبر ہو گی عادل ہو یا فاسق' کافر ہو یا مسلمان' غلام ہو یا آزاد' مرد ہو یا عورت۔ لیکن دیانات کا وقوع زیادہ نہیں ہوتا اس لئے ان میں عدل کی شرط لگانے سے کوئی حرج پیدا نہیں ہو گا۔ یہاں فاسق کی بات اس لئے معتبر نہیں ہو گی کہ وہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب کی وجہ سے تہمت زدہ ہے لہٰذا وہ جھوٹ بھی بول سکتا ہے اور کافر بذات خود احکام شرع کا التزام نہیں کرتا لہٰذا وہ مسلمان پر بھی لازم نہیں کر سکتا جہاں تک معاملات کا تعلق ہے تو وہ ہمارے ملک میں اسی مقصد کے لئے آتا ہے لہٰذا ضرورتاً" اس کی بات مانی جائے گی۔

مستور الحال کی خبر

ظاہر روایت کے مطابق مستور الحال (جس کی عدالت اور فسق معلوم نہ ہو) کی خبر قبول نہیں کی جائے گی۔ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے ایک روایت کے مطابق اس کا قول مقبول ہو گا کیونکہ ان کے نزدیک قاضی اس کے ظاہر کو دیکھتے ہوئے اس کی گواہی پر فیصلہ کر سکتا ہے۔ ظاہر روایت کے مطابق مستور الحال اور فاسق برابر ہیں کیونکہ یہاں جب عدد کا اعتبار نہیں ہو گا تو عدل کا اعتبار ضروری ہو گا۔

لہو و لعب پر مبنی دعوت میں شرکت

اس مسئلہ میں کچھ تفصیل ہے وہ یوں کہ جس شخص کو دعوت طعام دی گئی

وہ مقتدا اور پیشوا ہے یا ایک عام آدمی ہے۔ پھر دعوت میں پہنچنے کے بعد گانے بجانے کا علم ہوا یا پہلے علم ہو چکا تھا۔ علاوہ ازیں یہ لہو و لعب دسترخوان پر ہو یا اس سے الگ ہو۔ اگر جانے سے پہلے معلوم ہو جائے کہ وہاں لہو و لعب کا اہتمام ہے تو وہاں حاضر ہونا جائز نہیں ہے کیونکہ اسی دعوت کو قبول کرنا سنت ہے جو سنت طریقہ پر ہو۔ اور اگر وہاں جانے سے پہلے معلوم نہیں ہوا بلکہ وہاں جا کر پتہ چلا تو اگر دسترخوان پر یہ سلسلہ ہو تو پیشوا ہو یا عام آدمی اسے وہاں سے اٹھ آنا چاہئے کیونکہ ارشاد خداوندی ہے **فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین**

اور اگر لہو و لعب اس مجلس میں تو ہو لیکن دسترخوان پر نہ ہو تو پیشوا ہونے کی صورت میں اگر وہ انہیں روک سکتا ہے تو ٹھیک ورنہ واپس چلا جائے کیونکہ اس کا وہاں بیٹھنا دین کے لئے عیب اور مسلمانوں کے لئے گناہ کا دروازہ کھولنے کا سبب ہے۔

اور اگر عام آدمی ہو تو پھر اس دعوت کو کھانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ دعوت کو قبول کرنا سنت ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جس نے دعوت کو قبول نہ کیا اس نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی" لہذا اس بدعت کی وجہ سے دعوت کو ترک نہ کرے جیسے نوحہ کرنے والی عورتوں کی موجودگی میں نماز جنازہ میں حاضری کو ترک کرنا جائز نہیں ہے۔

ریشمی لباس کا استعمال

مردوں کے لئے ریشمی لباس پہننا ناجائز ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حریر اور دیباج (وضاحت آگے آرہی ہے) پہننے سے منع فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا کہ "اسے وہی شخص پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ

نیں۔ ایک دوسری حدیث جسے متعدد صحابہ کرام نے روایت کیا اور حضرت علی رتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان میں سے ہیں، کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ آلہ وسلم باہر تشریف لائے۔ آپ کے ایک ہاتھ میں ریشم اور دوسرے میں سونا تا آپ نے فرمایا دونوں میری امت کے مردوں پر حرام اور عورتوں کے لئے حلال یں۔

دیباج سے مراد وہ کپڑا ہے جس کا تانا بانا دونوں ریشم سے ہوں۔ یہ کپڑا امام بوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک ضرورتاً" اور بغیر ضرورت دونوں صورتوں میں جائز ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک لڑائی کی حالت میں اسے پہنا جاسکتا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لڑائی کی حالت میں حریر اور دیباج پہننے کی اجازت دی ہے۔ نیز اس کا پہننا ضرورت کے تحت ہے کیونکہ باس ریشم سے دشمن کے ہتھیار کی شدت و ضرر کو دور کیا جاسکتا ہے اور اس کی چمک کی وجہ سے دشمن پر رعب بھی پڑتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ممانعت والی حدیث میں کوئی تفصیل نہیں ہے اور ضرورت مخلوط کپڑے سے پوری ہو سکتی ہے۔ صاحبین کی پیش کردہ حدیث شریف بھی اسی مخلوط پر محمول ہے۔

حریر وہ ریشمی کپڑا ہے جس کا بانا ریشم سے اور تانا کسی اور دھاگے سے ہو اسے لڑائی کی حالت میں ضرورت کی وجہ سے پہنا جاسکتا ہے اس کے علاوہ پہننا یعنی بلاضرورت جائز نہیں ہے۔

(نوٹ) جس کپڑے کا تانا ریشمی ہو اور بانا غیر ریشمی ہو اس کا پہننا جائز ہے کیونکہ صحابہ کرام ایسا کپڑا پہنتے تھے نیز کپڑے میں بانا معتبر ہوتا ہے۔

استثنائی صورت

کپڑے میں تین یا چار انگلیوں کے برابر ریشم کا حاشیہ یا بیل بوٹے ہوں تو اس کا پہننا جائز ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ریشم کے پہننے سے منع فرمایا البتہ دو یا تین یا چار انگلیوں کے برابر جگہ کو مستثنیٰ قرار دیا۔ نیز آپ ایک ایسا جبہ پہنا کرتے تھے جس کی آستینوں اور گریبان پر ریشم لگا ہوا تھا۔

ریشمی تکئے یا ریشمی بستر پر سونا یا ریشمی پردا دروازے پر لٹکانا امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک مکروہ ہے۔ صاحبین احادیث کے عموم سے استدلال کرتے ہیں نیز یہ متکبرین کے لباس سے ہے اور ان سے مشابہت حرام ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں عجمیوں کے لباس سے بچو۔

امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ریشمی تکئے پر بیٹھتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بستر پر ریشمی تکیہ ہوتا تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ جس طرح لباس میں تھوڑا ریشم جائز ہے اسی طرح اس کے پہننے اور استعمال میں قلت بھی جائز ہے اور ان دونوں کو ملانے والی بات یہ ہے کہ بطور نمونہ آخرت کا لباس پہنا جائے تاکہ آخرت کی رغبت پیدا ہو۔

سونے اور دوسری دھاتوں کا استعمال

مردوں کے لئے سونا مطلقاً حرام ہے جبکہ چاندی کی انگھوٹی جس کی مقدار ساڑھے چار ماشہ ہو۔ اس طرح کمربند جائز ہے تاکہ آخرت کے لئے ایک نمونہ حاصل ہو اور چونکہ یہ ضرورت چاندی سے پوری ہو جاتی ہے لہٰذا سونے کا پہننا

جائز ہے

چڑا لوہے اور تانبے کی انگوٹھی پہننا بھی ناجائز ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ ... وآلہ وسلم نے ایک شخص کو پیتل کی انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھا تو فرمایا "کیا بات ... کہ میں تم سے بتوں کی بو پاتا ہوں" ایک دوسرے آدمی کو لوہے کی انگوٹھی ... ہوئے دیکھا تو فرمایا "مجھے کیا ہے کہ میں تم پر جہنم کا زیور دیکھ رہا ہوں۔"

انگوٹھی کا پہننا (چاندی کی) قاضی اور بادشاہ کے لئے ضرورت کا تقاضا ہے ... دوسرے لوگوں کے لئے نہ پہننا بہتر ہے چونکہ انگوٹھی میں اس کا حلقہ معتبر ... ہے لہٰذا نگینہ پتھر وغیرہ بھی ہو سکتا ہے۔ البتہ سونا چونکہ مردوں کے لئے مطلق ... ہے لہٰذا اس کا نگینہ نہیں بنایا جاسکتا۔ وہاں نگینے کے سوراخ میں بطور کیل لگایا ... سکتا ہے کیونکہ اس صورت میں وہ تابع ہو گا دانتوں کو سونے کی تار کے ساتھ ... کے بارے میں حنفی ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ ... کے نزدیک ناجائز ہے البتہ چاندی سے باندھ سکتے ہیں۔ امام محمد رحمتہ اللہ علیہ ... کے نزدیک سونے کے ساتھ باندھنے میں بھی کوئی حرج نہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ ... کلاب کے دن حضرت عرفجہ بن اسعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ناک کٹ گیا تو ... انہوں نے چاندی کا ناک بنوایا۔ اس میں بو آنے لگی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ ... وآلہ وسلم نے انہیں سونے کا ناک بنوانے کا حکم دیا۔

امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سونے میں اصل تحریم ہے اور ... ضرورت کے تحت ہے۔ اگر چاندی سے ضرورت پوری نہ ہوتی ہو تو پھر سونا ... استعمال کرسکتے ہیں۔ جیسے مذکورہ بالا صورت میں ہوا۔ اس مسئلے میں امام ابو یوسف ... رحمتہ اللہ علیہ کا قول دوسرے دونوں ائمہ کے مطابق مروی ہے۔

(نوٹ) (۱) جس طرح ریشم اور سونا مردوں کے لئے حرام ہے اسی طرح مرد

بچوں کو پہنانا بھی ناجائز ہے۔

(۲) ہاتھ کا رومال اگر حاجت کے لئے ہے تو جائز ہے (مکروہ نہیں ہے) اور ا
تکبر کے تحت ہے تو مکروہ ہے۔ انگلی یا انگوٹھی میں یادداشت کے لئے دھاگہ باند
جائز ہے کیونکہ یہ ایک صحیح غرض کے لئے ہے اور کوئی فضول عمل نہیں ہے
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کی اجازت بھی فرمائی ہے بلکہ بع
صحابہ کو حکم فرمایا۔ اس دھاگے کو رتم یا رتیمہ کہا جاتا ہے۔

اجنبی عورت کو دیکھنا' چھونا اور اس سے وطی کرنا

اجنبی عورت کے چہرے اور ہتھیلیوں کے علاوہ باقی جسم کو دیکھنا جائز نہ
ہے اور اگر شہوت کا ڈر ہو تو ضرورت کے بغیر چہرے کو دیکھنا بھی جائز نہیں ہے
چہرے اور ہاتھوں کو دیکھنے کا جواز قرآن پاک کی اس آیت سے ثابت ہوتا ہے "ا
وہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو ان سے ظاہر ہو" اس کی تفسیر میں حضرت
کرم اللہ وجہہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس
سرمہ اور انگوٹھی مراد ہے۔ یعنی ان کی جگہ اور وہ چہرہ اور ہتھیلیاں ہیں۔ دوسری
دلیل یہ ہے کہ مردوں کے ساتھ کسی چیز کے لینے اور دینے میں معاملہ کے وقت
ان اعضاء کو ظاہر کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک اجنبیہ کے بازؤں کو دیکھنا بھی
جائز ہے کیونکہ عادتاً" وہ ننگے ہوتے ہیں۔ جہاں تک قدموں کا تعلق ہے تو ا
قدوری کی عبارت کے مطابق ان کا دیکھنا جائز نہیں ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمتہ ا
علیہ سے ان کے دیکھنے کا جواز مروی ہے کیونکہ اس میں ضرورت پائی جاتی ہے
اس لئے کہ بعض اوقات عورت ننگے پاؤں ہوتی ہے جہاں تک شہوت کے خوف
کی صورت میں عورت کے چہرے کو دیکھنے کے عدم جواز کا تعلق ہے تو اس کی

دلیل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ قول ہے کہ "جو شخص شہوت
کے ساتھ کسی اجنبیہ عورت کے محاسن کو دیکھے اس کی آنکھوں میں بروز قیامت
سیسہ ڈالا جائے گا" البتہ ضرورت کے تحت شہوت کے خدشہ کے باوجود دیکھا
جاسکتا ہے۔ اجنبیہ عورت اگر بوڑھی ہو تو اس سے مصافحہ کرنے یا اسے ہاتھ
لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ فتنے کا خوف نہیں ہے۔

اور اگر اجنبیہ عورت جوان ہو تو اگرچہ شہوت سے بے خوف بھی ہو پھر
بھی اس کے چہرے اور ہتھیلیوں وغیرہ کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ کیونکہ یہاں حرام
کرنے والی دلیل یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد گرامی موجود
ہے کہ آپ نے فرمایا "جس نے کسی شرعی جواز کے بغیر کسی عورت کی ہتھیلی کو
چھوا قیامت کے دن اس کی ہتھیلی پر انگارے رکھے جائیں گے۔" نیز یہاں ہاتھ
لگانے کی حاجت بھی نہیں ہے چھوٹی بچی غیر مشتہاۃ ہو تو اسے دیکھنا اور ہاتھ لگانا جائز
ہے۔

قاضی کے لئے فیصلہ کرتے ہوئے اور گواہ کے لئے گواہی دیتے ہوئے
متعلقہ عورت کے چہرے کی طرف دیکھنا جائز ہے اگرچہ شہوت کا خوف ہو کیونکہ
اس فیصلے اور شہادت کی ادائیگی سے لوگوں کے حقوق کو زندہ کیا جاتا ہے۔ البتہ گواہ
بننے کے لئے شہوت کے خوف کی صورت میں اصح قول کے مطابق عورت کے
چہرے کو دیکھنا جائز نہیں ہے۔

کسی عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ کرنے والا اس عورت کو دیکھ سکتا ہے
اگرچہ شہوت کا ڈر ہو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا "اسے دیکھو
یہ تمہارے درمیان دائمی محبت کے لئے زیادہ مناسب ہے" نیز اس سے مقصود
سنت کا قیام ہے۔ شہوت کو پورا کرنا نہیں ہے۔

ڈاکٹر ضرورت کی وجہ سے بیماری کی جگہ کو دیکھ سکتا ہے اسی طرح پچکاری

کرنے والا پچکاری کی جگہ کو دیکھ سکتا ہے البتہ مناسب یہ ہے کہ عورتوں کے علاج کے لئے عورت کو یہ فن سکھایا جائے۔

مرد کا مرد کو دیکھنا

ناف سے گھٹنے تک جسم کے علاوہ مرد کا جسم دوسرا مرد دیکھ سکتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مرد کا مقام ستر ناف سے لے کر گھٹنے تک ہے" ایک روایت کے مطابق ناف کے نیچے سے ہے حتیٰ کہ گھٹنے سے تجاوز کر جائے۔

اختلاف :

احناف کے نزدیک ناف ستر میں داخل نہیں اور گھٹنے داخل ہیں۔ ابو عصمہ یعنی سعد بن معاذ مروزی اور امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک ناف ستر میں داخل ہے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک گھٹنا ستر میں داخل نہیں ہے۔ اصحاب ظاہر کے نزدیک ران ستر میں داخل نہیں ہے۔ امام ابوبکر محمد بن فضل الکماری کے نزدیک ناف سے نیچے بالوں کے اگنے تک کی جگہ ستر نہیں ہے۔ احناف کے مسلک پر احادیث اور عقلی دلائل پائے جاتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "گھٹنا ستر سے ہے" نیز حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی ناف کو ننگا کیا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے بوسہ دیا۔

ران کے بارے میں ایک حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جرھد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا "اپنی ران کو چھپاؤ کیا تم نہیں جانتے کہ ران ستر سے ہے" عقلی دلیل یہ ہے کہ گھٹنے پر ران اور پنڈلی کی ہڈیاں ملتی ہیں لہٰذا یہاں حرام کرنے والی جائز کرنے والی دونوں دلیلیں پائی جاتی ہیں اور

اس قسم کی صورت میں حرام کرنے والی دلیل غالب ہوتی ہے۔ تو جب گھٹنوں کا ستر ہونا ثابت ہو گیا تو ران بدرجہ اولیٰ ستر ہے۔ گھٹنے کو ننگا کرنے والے شخص کو نرمی سے سمجھایا جائے۔ ننگی ران والے کو سرزنش کی جائے اور جو شخص ستر غلیظ کو ننگا کرتا ہے اسے اچھی طرح ادب سکھایا جائے۔

(نوٹ) مرد کے جسم کا جو حصہ دیکھنا جائز ہے اسے چھونا بھی جائز ہے۔

عورت کا مرد کے ان اعضاء کو دیکھنا جو ستر میں داخل نہیں

اگر شہوت کا خوف نہ ہو تو عورت مرد کے جسم کا وہ حصہ دیکھ سکتی ہے جسے مرد دیکھ سکتے ہیں کیونکہ غیر مستور اعضاء کو دیکھنے میں مرد اور عورت برابر ہیں۔ مبسوط کی کتاب الخنثیٰ میں یہ لکھا ہے کہ کسی عورت کا اجنبی مرد کو دیکھنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی مرد اپنی محارم کو دیکھے۔ کیونکہ غیر جنس کی طرف دیکھنا زیادہ سخت ہے۔

اور اگر عورت کے دل میں شہوت کا خیال ہو یا محض شک ہی ہو تو اپنی نگاہ کو پست کرنا مستحب ہے۔ اور اگر یہ صورتحال مرد کو پیش آئے تو اس کا دیکھنا حرام ہے۔ ان دونوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ عورتوں میں شہوت غالب ہوتی ہے لہٰذا جب مرد شہوت کے ساتھ عورت کو دیکھے گا تو مرد میں شہوت حقیقتاً پائی گئی اور عورت میں اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ گویا دونوں طرف سے شہوت موجود ہے۔ اور اگر عورت شہوت کے ساتھ مرد کو دیکھتی ہے تو مرد میں شہوت محض اعتباری نہیں ہوگی جب تک متحقق نہ ہو۔ لہٰذا اب دونوں جانب سے شہوت نہیں پائی گئی۔

عورت عورت کے ان اعضاء کو دیکھ سکتی ہے جن اعضاء کا مردوں کے لئے ایک دوسرے کو دیکھنا جائز ہے کیونکہ یہ ہم جنس ہیں اور عام طور پر یہاں شہوت نہیں پائی جاتی۔ اس طرح ضرورت کے تحت انہیں ایک دوسرے کے سامنے یہ

اعضاء ننگے کرنا پڑتے ہیں۔ البتہ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ مرد کے دیکھنے اور عورت کے دیکھنے میں فرق کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں چونکہ مرد کام کاج میں مشغولیت کی وجہ سے جسم کو ننگا کرنے کی زیادہ ضرورت محسوس کرتے ہیں جب کہ عورت کے لئے اس قسم کی ضرورت نہیں ہے لہٰذا عورت کا مرد کی طرف دیکھنا اتنا شدید نہیں ہے جتنا عورت کا عورت کی طرف دیکھنا ہے اور یہ ایسے ہے جیسے کوئی شخص اپنی محارم کو دیکھتا ہے۔

مالک کا اپنی لونڈی کی شرمگاہ کو اور خاوند کا اپنی بیوی کی شرم گاہ کو دیکھنا جائز ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اپنی آنکھوں کو پست رکھو سوائے اپنی بیوی اور لونڈی کے" دوسری دلیل یہ ہے کہ جب ان سے جماع کرنا جائز ہے تو شرم گاہ کو دیکھنا بدرجہ اولیٰ جائز ہو گا۔ البتہ یہ خلاف اولیٰ ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس جائے تو جس قدر ممکن ہو پردہ کرے اور جنگلی گدھے کی طرح ننگے نہ ہو جائیں۔ علاوہ ازیں ایک اور حدیث شریف کی روشنی میں اس عمل سے نسیان پیدا ہوتا ہے۔

محارم کی طرف دیکھنا

انسان اپنی محارم عورتوں کے چہرے' سر' سینے پنڈلیوں اور بازوؤں کی طرف دیکھ سکتا ہے لیکن ان کی پیٹھ' پیٹ اور رانوں کو دیکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اور وہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں' باپ دادا' خاوندوں کے باپ دادا' بیٹوں' خاوندوں کے بیٹوں وغیرہ کے لئے" اور یہاں زینت سے مراد اعضاء زینت ہیں ان میں کان' گردن اور قدم وغیرہ بھی داخل ہیں۔ جبکہ پیٹھ' پیٹ اور ران زینت کی جگہیں نہیں ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان عام

اور ان عورتوں کے پاس بغیر اجازت کے جاتا ہے اور عورت گھر میں کام کاج کے کپڑوں میں ہوتی ہے اگر ان اعضاء کو دیکھنا حرام قرار دیا جائے تو اس سے حرج پیدا ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ان عورتوں کو ہمیشہ کے لئے حرام ہونے کی وجہ سے ان میں رغبت بھی کم ہوتی ہے۔

(ت) محرم اس عورت کو کہتے ہیں جس کے ساتھ نکاح کرنا ہمیشہ کے لئے حرام ہو۔ چاہے وہ حرمت نسب کی وجہ سے ہو یا کسی دوسرے سبب سے مثلاً رضاعت اور مصاہرت۔ پھر مصاہرت نکاح کے ساتھ ہو یا زنا کے ساتھ دونوں صورتوں میں حرمت ثابت ہو جائے گی۔

محرم عورت کو ہاتھ لگانا

محرم عورت کے جسم کا جو حصہ دیکھنا جائز ہے۔ شہوت کا خوف نہ ہو تو اسے ہاتھ لگانا بھی جائز ہے۔ کیونکہ سفر وغیرہ میں اس کی ضرورت پڑتی ہے اور قرابت کی وجہ سے شہوت بھی کم ہوتی ہے البتہ اگر عورت کے بارے میں یا اپنے بارے میں شہوت کا خوف ہو تو نہ دیکھنا جائز ہے اور نہ اسے ہاتھ لگانا۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا دیکھنا ہے اور ہاتھ زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا پکڑنا ہے۔"

اور اجنبیہ عورت کے چہرے اور ہتھیلیوں کو دیکھنا تو جائز ہے لیکن ہاتھ لگانا جائز نہیں کیونکہ اس میں شہوت کامل ہوتی ہے۔

محرم عورت کے ساتھ تنہائی اختیار کرنا یا اس کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کوئی عورت تین دن اور راتوں سے زیادہ سفر نہ کرے مگر اس حال میں کہ اس کے ساتھ اس کا خاوند یا ذو رحم محرم ہو" اور دوسری حدیث شریف میں فرمایا "کوئی شخص شرعی اجازت کے بغیر کسی

عورت کے ساتھ علیحدگی اختیار نہیں کرتا مگر ان دونوں کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے" تو اس حدیث شریف میں شرعی اجازت کا ذکر ہے جو محرم کو حاصل ہے۔

اگر محارم کو سواری پر سوار کرنا یا اتارنا ضروری ہو تو کپڑوں کے اوپر سے اسے ہاتھ لگانا جائز ہے اگرچہ اس کی پیٹھ اور پیٹ سے ہی پکڑنا پڑے لیکن اس سے نیچے کی جگہ سے اجتناب کرنا ہوگا۔

غیر کی لونڈی کو دیکھنا

اپنی محارم عورتوں کے جس حصے کو دیکھ سکتا ہے غیر کی لونڈی کے جسم کا وہ حصہ دیکھنا جائز ہے کیونکہ لونڈی کام کاج کے لئے باہر جاتی ہے، اپنے مولیٰ کے مہمانوں کی خدمت کرتی ہے اور عام طور پر محنت مشقت کے کپڑوں میں ہوتی ہے۔ اس لونڈی میں مدبرہ مکاتبہ، ام ولد داخل ہیں۔ مکاتبت کے لئے محنت مزدوری کرنے والی لونڈی بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں داخل ہے جبکہ صاحبین اسے آزاد کی طرح قرار دیتے ہیں۔

غیر کی لونڈی کا پیٹ اور پیٹھ دیکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ اسے دیکھنے کی کوئی حاجت نہیں اور یہ شہوت کا باعث ہے البتہ امام محمد بن مقاتل اسے جائز قرار دیتے ہیں۔

ایسی لونڈی کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں البتہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ مبسوط میں ضرورت کے تحت اسے جائز قرار دیتے ہیں جبکہ محارم عورتوں کے ساتھ سفر کو محض حاجت کے تحت جائز قرار دیتے ہیں۔

(نوٹ) ۱۔ اگر کسی لونڈی کو خریدنے کا ارادہ ہو تو شہوت کا خوف ہونے کے باوجود اسے ہاتھ لگا سکتا ہے کیونکہ یہ ایک ضرورت ہے اور اگر شہوت موجود ہو یا اس کا ظن غالب ہو تو پھر ہاتھ لگانا مکروہ ہے۔

۲۔ لونڈی جب بالغ ہو جائے تو اسے خریدنے والے کے سامنے صرف ایک چادر میں نہ پیش کیا جائے کیونکہ اس کی پیٹھ اور پیٹ بھی اعضاء ستر ہیں نیز اب یہ محل شہوت ہے۔

خصی کا حکم

اجنبیہ عورت کی طرف دیکھنے کے سلسلے میں خصی دوسرے مردوں کی طرح ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ خصی پن مثلہ ہے لہٰذا اس عمل سے پہلے اس کے لئے جو کام حرام تھا وہ اب بھی حرام ہے کیونکہ وہ جماع کر سکتا ہے۔ اس طرح مقطوع الذکر کا بھی حکم ہے کیونکہ وہ اپنے عضو مخصوص کو رگڑ کر منی نکال سکتا ہے اور مخنث جو افعال قبیحہ کا مرتکب ہوتا ہے وہ بھی ایک فاسق قسم کا مرد ہے اس کا بھی یہی حکم ہے۔ لیکن چھوٹا بچہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے کیونکہ نص قرآنی **اوالطفل الذین لم یظھروا علی عورات النساء**

مملوک کا اپنی مالکہ کو دیکھنا

مالکہ کے لئے غلام، اجنبی کی طرح ہے لہٰذا وہ صرف ان اعضاء کو دیکھ سکتا ہے جو کسی اجنبی عورت سے دیکھے جا سکتے ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول کے مطابق وہ اس کے لئے محرم کی طرح ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے **اوما ملکت ایمانکم** نیز مالکہ کے پاس اجازت کے بغیر جانے کی وجہ سے ضرورت کا تقاضا ہے کہ اسے محرم قرار دیا جائے۔ احناف کے نزدیک چونکہ وہ غیر محرم مرد ہے اس کا خاوند بھی نہیں ہے کسی نہ کسی صورت میں اس کے ساتھ نکاح کے جواز کی وجہ سے شہوت متحقق ہے اور چونکہ وہ گھر سے باہر کام کرتا ہے لہٰذا وہ محرم کے حکم میں نہیں ہو سکتا۔ امام مالک

نے جو آیت پیش کی ہے اس سے مراد غلام نہیں بلکہ لونڈیاں ہیں۔ حضرت سعید بن مسیب اور حضرت حسن بصری اور دیگر اکابر رحمھم اللہ اس کی یہی تفسیر فرماتے ہیں۔

عزل :

لونڈی سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کیا جاسکتا ہے لیکن بیوی سے عزل کے لئے اس کی اجازت ضروری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے منع فرمایا اور ایک دوسری حدیث شریف کے مطابق ایک لونڈی کے مولی سے فرمایا "اگر تم چاہو تو اس سے عزل کر سکتے ہو" دوسری دلیل یہ ہے کہ آزاد عورت کے حق میں وطی شہوت کو پورا کرنا اور اولاد کو حاصل کرنا ہے یہی وجہ ہے کہ مجبوب اور عنین کے سلسلے میں عورت کو اختیار دیا گیا ہے جبکہ لونڈی کو وطی میں کوئی حق حاصل نہیں ہے لہذا آزاد عورت کا حق اس کی اجازت کے بغیر کم نہیں کیا جاسکتا جبکہ لونڈی کے سلسلے میں یہ بات نہیں ہے۔

استبراء :

اگر کوئی شخص لونڈی خریدے تو جب تک اس کا استبراء نہ ہو جائے اس سے جماع کرنا، شہوت کے ساتھ چھونا، بوسہ دینا اور شرم گاہ کی طرف دیکھنا جائز نہیں۔

اس کی حکمت یہ ہے کہ عورت کے رحم کی برات کو معلوم کیا جائے تاکہ مادۂ منویہ دوسرے مادۂ منویہ کے ساتھ مخلوط نہ ہو اور نسب کو اشتباہ سے بچایا جاسکے۔ اور یہ حفاظت اس وقت ہوتی ہے جب عورت کا رحم حقیقتاً مشغول ہو یا اس کا وہم ہو۔

ب جب مشتری اسے خریدتا ہے تو چونکہ وہ اس سے وطی کرنے کا ارادہ کر سکتا ہے لہذا اس پر استبراء واجب ہو گا اور یہ ارادہ ایک باطنی امر ہے اس لئے ستبراء کا حکم اس کی دلیل پر نافذ ہوتا ہے اور یہ دلیل وطی پر قادر ہونا ہے اور ونکہ وطی پر قدرت ملکیت اور قبضہ سے حاصل ہوتی ہے لہذا استبراء کا سبب استحداث ملک کو قرار دیا گیا جو قبضہ کے ساتھ مؤکد ہے اس کی دلیل اوطاس کی بندی عورتوں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے آپ نے فرمایا ان میں سے) حاملہ عورتوں سے وطی نہ کی جائے یہاں تک کہ وہ بچہ جنیں اور نہ غیرحاملہ سے وطی کی جائے یہاں تک کہ ایک حیض کے ساتھ ان کا استبراء ہو جائے یعنی رحم کے خالی ہونے کا علم ہو جائے چونکہ استبراء کا سبب استحداث ملک ور قبضہ ہے لہذا جہاں جہاں یہ سبب پایا جائے گا استبراء واجب ہو گا۔ مثلاً خریدنا، بہ، وصیت، میراث، بدل خلع، یا بدل کتابت وغیرہ کے ذریعے لونڈی کو حاصل کرنا۔

بچے کے مال یا عورت یا مملوک یا ایسے شخص کے مال سے لونڈی کو خریدنا جس کے لئے اس (لونڈی) سے وطی کرنا جائز نہیں تھا تو ان تمام صورتوں میں بھی استبراء ضروری ہو گا۔

ایسی باکرہ عورت خریدی گئی جس سے وطی نہیں کی گئی تو سبب کے پائے جانے کی وجہ سے استبراء ضروری ہو گا۔

جس حیض کے دوران لونڈی کو خریدا گیا یا خریدنے کے بعد قبضہ کرنے سے پہلے اسے حیض آیا یا قبضہ کرنے سے پہلے اس کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا تو چونکہ ان صورتوں میں وضع حمل یا حیض قبضہ سے پہلے پایا گیا لہذا استبرا ضروری ہو گا۔ کیونکہ حکم، سبب سے پہلے ہوتا ہے اور یہاں سبب بعد میں پایا جارہا ہے البتہ وضع حمل والی صورت میں امام ابویوسف رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک استبراء کی

ضرورت نہیں ہوگی۔

بیع فضولی میں یا شراء فاسد کی صورت میں اگرچہ مشتری کو قبضہ حاصل ہونے کے بعد لونڈی کو حیض آیا یا وضع حمل ہوا لیکن یہ غیر معتبر ہوگا کیونکہ ابھی تک (پہلی صورت میں) اجازت کے بغیر تکمیل نہیں ہوئی اور دوسری صورت میں بیع اس وقت معتبر ہوگی جب اس کا فساد ختم ہو جائے اور بیع صحیح پائی جائے۔

اگر کسی شخص نے لونڈی کا کچھ حصہ خریدا تو جب تک باقی کو نہ خرید لے ملک تام نہیں ہوگی لہٰذا اس سے پہلے آنے والا حیض معتبر نہیں ہوگا۔ اگر مجوسیہ لونڈی ہو یا مکاتبہ پھر وہ مجوسیہ مسلمان ہو جائے یا مکاتبہ بدل کتابت سے عاجز ہو جائے تو اس کے بعد والا حیض استبراء میں شمار ہوگا کیونکہ سبب اب حاصل ہوا ہے۔

اور چونکہ استبراء کا سبب استحداث ملک ہے لہٰذا اگر کسی شخص کی لونڈی بھاگ جائے یا وہ مغصوبہ تھی واپس لوٹائی گئی یا اجرت پر دی ہوئی تھی یا کسی کے پاس رہن رکھی گئی تھی تو ان تمام صورتوں میں استبراء نہیں ہوگا کیونکہ ملک پہلے سے حاصل ہے۔

(نوٹ) ان تمام صورتوں میں جن میں استبراء واجب ہے دواعی وطی بھی حرام ہیں کیونکہ ان امور کا غیر ملک میں واقع ہونے کا احتمال پایا جاتا ہے۔ نیز یہ بھی خدشہ ہے کہ وہ وطی تک پہنچ جائے لہٰذا یہ بھی ناجائز ہیں جبکہ حیض میں یہ امور اس لئے ناجائز نہیں ہیں کہ ایک تو وہ اس کی اپنی ملک ہے دوسرا وہ نفرت کا زمانہ ہے لہٰذا وطی کا خطرہ نہیں ہے۔

قیدی عورت کے بارے میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد یہ ہے کہ وطی کے دواعی استبراء سے پہلے حرام نہیں ہیں کیونکہ یہاں غیر ملک میں واقع ہونے کا

احتمال نہیں ہے اس لئے کہ اگر حمل ظاہر ہو جائے اور حربی کافر اس کا دعویٰ کرے تو یہ دعویٰ معتبر نہیں ہوگا۔ البتہ خریدنے کی صورت میں چونکہ بائع کا دعویٰ معتبر ہوتا ہے لہٰذا غیر ملک کا احتمال ہے۔

حاملہ عورت کا استبراء وضع حمل کے ساتھ ہے اور جن عورتوں کو بچپن یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہیں آتا ان کا استبراء مہینے کے ساتھ ہوگا جیسا کہ عدت میں ہوتا ہے۔ اگر مہینے کے درمیان حیض آجائے تو اب استبراء حیض کے ساتھ ہوگا کیونکہ مقصود کے حصول سے پہلے اصل پر قدرت حاصل ہو گئی۔

اگر کسی لونڈی کو خریدا اور وہ حیض والی عورتوں میں سے تھی اب اس کا حیض بند ہو گیا تو اس کے قریب نہ جائے جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ حاملہ نہیں ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک یہ مدت دو تین مہینے ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں چار مہینے دس دن اور ایک روایت میں دو مہینے پانچ دن جبکہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو سال ہے اور یہ ایک روایت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ہے۔ فتویٰ دو مہینے پانچ دن (کے قول) پر ہے کیونکہ لونڈی کی عدت وفات یہی ہے۔

اسقاط استبراء کے لئے حیلہ

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک استبراء کو ساقط کرنے کے لئے حیلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اس قول پر عمل اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ جب معلوم ہو جائے کہ بائع نے اس طہر میں اس سے جماع نہیں کیا تھا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حیلہ مطلقاً جائز نہیں ہے لیکن اس پر عمل اس صورت میں ضروری ہوگا جب اس نے اس طہر میں جماع کیا ہو حیلہ کی دو صورتیں ہیں۔

۱۔ اگر مشتری کے نکاح میں آزاد عورت نہ ہو تو لونڈی کو خریدنے سے پہلے اس سے نکاح کرلے پھر اسے خریدے۔

۲۔ اگر اس کے نکاح میں آزاد عورت ہو تو حیلہ کی صورت یہ ہوگی کہ بائع اس لونڈی کو بیچنے سے پہلے یا مشتری قبضہ کرنے سے پہلے ایسے آدمی کے نکاح میں دیدے جس پر اعتماد ہو۔ پھر اسے خریدے۔ (پہلی صورت میں) یا قبضہ کرے۔ (دوسری صورت میں) اس کے بعد خاوند اسے طلاق دیدے۔ اب یہاں استبراء واجب نہیں ہو گا۔ کیونکہ استحداث ملک کے وقت اس لونڈی کے دوسرے آدمی کے نکاح میں ہونے کی وجہ سے یہ اس سے جماع نہیں کرسکتا گویا کہ سبب استبراء کے وقت جماع اس کے لئے جائز ہی نہیں تھا۔

(نوٹ) مظاہر جس طرح کفارہ کی ادائیگی سے پہلے بیوی سے جماع نہیں کر سکتا اسی طرح اسے ہاتھ لگانا' بوسہ دینا اور اس کی شرم گاہ کی طرف دیکھنا بھی حرام ہے۔ جبکہ شہوت کے ساتھ ہو کیونکہ حرام کا سبب بھی حرام ہوتا ہے اور یہ امور وطی کا سبب بنتے ہیں۔

اسے حیض اور روزے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کیونکہ حیض عمر کا تقریباً نصف حصہ اور روزہ بصورت فرض ایک مہینہ اور بطور نفل عمر کے اکثر حصے کو گھیرتا ہے لہٰذا ان حالتوں میں منع کرنے سے حرج پایا جاتا ہے۔

دو بہنوں کا کسی کی ملک میں ہونا

اگر کسی شخص کی ملک میں دو ایسی لونڈیاں ہوں جو آپس میں بہنیں ہیں پھر ان میں سے کسی ایک کو شہوت کے ساتھ بوسہ دیدے تو اب ان میں سے کسی کے ساتھ بھی جماع نہیں کرسکتا اور نہ ہی اسے شہوت کے

ساتھ بوسہ دے سکتا ہے' نہ چھو سکتا ہے' نہ اس کی شرمگاہ کی طرف دیکھ سکتا ہے جب تک اسے کسی دوسرے پر بیچنے یا نکاح کرنے کے ذریعے اس شخص کو مالک نہ بنا دے یا اسے آزاد نہ کردے۔ اصل بات یہ ہے کہ دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ لہٰذا دو لونڈیوں کو جو آپس میں بہنیں ہوں' بطور وطی جمع کرنا بھی ناجائز ہے اس طرح جو امور وطی کی طرف لے جاتے ہیں بیک وقت دونوں کے ساتھ ان کا ارتکاب بھی حرام ہے اور اگر دونوں کو بوسہ دے دیا تو اب دونوں کو چھوڑنا ضروری ہو گا۔ جب تک ایک کو ملک سے مکمل طور پر نہ نکال دے' دوسری سے جماع وغیرہ جائز نہیں ہوگا۔ ان میں سے کسی ایک کو رہن رکھنے' اجارہ پر دینے یا مدبرہ بنانے سے یا نکاح فاسد کے ذریعے دوسری بہن سے جماع وغیرہ جائز نہیں ہو گا کیونکہ پہلی تین صورتوں میں وہ اس کی ملک سے نہیں نکلی اور چوتھی صورت یعنی نکاح فاسد کی صورت میں اس وقت تک اس کی ملک میں رہے گی جب تک اس کا خاوند اس سے جماع نہ کرلے۔

اگر ان میں سے کسی ایک کے بعض حصے کو آزاد کرے یا اسے مکاتبہ بنائے تو دوسری سے وطی کرسکتا ہے کیونکہ حرمت وطی کے سلسلے میں یہ مکمل آزاد کرنے کی طرح ہے۔

مرد کا مرد کو بوسہ دینا اور معانقہ کرنا

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مرد مرد کے ہاتھوں یا پیشانی کے درمیان بوسہ دے سکتا ہے اور اس سے معانقہ بھی کرسکتا ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حبشہ سے واپس آئے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے

معانقہ فرمایا اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔

طرفین کے نزدیک یہ امور مکروہ ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکامعت یعنی معانقہ اور مکامعت یعنی بوسہ دینے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ یہ تحریم سے پہلے کی بات ہے۔

فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اختلافی معانقہ وہ ہے جو ایک ازار کی صورت میں ہو اور اگر قمیض وغیرہ پہنی ہو تو بالاجماع جائز ہے۔

متاخرین علماء نے علماء کے ہاتھوں کو بوسہ دینے کی اجازت لکھی ہے۔ مصافحہ کرنا جائز ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے اس کی اجازت دی اور فرمایا "جو شخص اپنے مسلمان بھائی سے مصافحہ کرے اور اس کے ہاتھ کو حرکت دے اس کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔" اور یہ توارث سے بھی ثابت ہے۔

خرید و فروخت میں کراہت

احناف رحمہم اللہ کے نزدیک گوبر کی بیع میں کوئی حرج نہیں جبکہ پاخانہ کی بیع ناجائز ہے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک گوبر کی بیع بھی جائز نہیں ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ نجس عین ہونے کی وجہ سے پاخانہ اور اس چمڑے کی مثل ہے جسے ابھی دباغت نہیں دی گئی۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ گوبر کو زمین میں ڈالا جاتا ہے تاکہ فصل زیادہ ہو اور چونکہ مٹی کے ساتھ مل کر یہ نفع دیتا ہے لہٰذا اس کی بیع جائز ہے کیونکہ مخلوط کی بیع جائز ہوتی ہے۔ اب گوبر مال ہے اور مال بیع کا محل ہوتا ہے۔

خبر کا اعتبار

معاملات میں ایک آدمی کا قول معتبر ہوتا ہے جبکہ کوئی منازع نہ ہو' چاہے خبر دینے والا آزاد ہو یا غلام، مسلم ہو یا کافر' مرد ہو یا عورت' البتہ اس کا عاقل' سمجھ دار ہونا ضروری ہے۔

پھر یہ بات بھی ضروری ہے کہ وہ مخبر ثقہ ہو یا غیر ثقہ ہو تو جس کو خبر دی جاتی ہے اس کی غالب رائے کے مطابق وہ سچا ہو لہٰذا اگر کسی شخص کو معلوم ہو کہ یہ لونڈی فلاں آدمی کی ہے پھر دوسرے آدمی کو دیکھا جو اسے بیچ رہا تھا اور اس نے کہا کہ اس کے مالک نے مجھے بیچنے کے لئے وکیل بنایا ہے تو پہلا شخص خرید سکتا ہے اور اس سے وطی بھی کر سکتا ہے۔

اور اگر وہ شخص جس کے پاس وہ لونڈی ہے' غلام ہوں اور وہ اس کو بیچنا چاہیں تو جب تک اس بیچنے والے کے بارے میں معلومات حاصل نہ کر لی جائیں کہ اس کے پاس یہ لونڈی مالک کی اجازت سے فروخت ہونے کے لئے آئی ہے۔ اس وقت اس کی بات قبول نہ کی جائے کیونکہ یہ مخبر خود مملوک ہے کسی چیز کا مالک نہیں ہو سکتا لہٰذا اس کا قبضہ ملک پر دلالت نہیں کرے گا۔

اور اگر اس (بائع) نے یہ بتایا کہ مجھے مولیٰ نے اس کے بیچنے کی اجازت دی ہے اور وہ ثقہ ہو یا خبر سننے والے کی غالب رائے میں سچا ہو تو اس کی بات مان لی جائے گی ورنہ وہ اس سے نہ خریدے۔

اگر کسی عورت کو کسی ثقہ آدمی نے خبر دی کہ اس کا خاوند جو غائب تھا وہ مر گیا ہے یا اس نے اسے طلاق (تین طلاقیں) دے دی ہیں یا وہ غیر ثقہ شخص ہے اور وہ اس کے خاوند کی طرف سے تحریر لاتا ہے اور عورت کو یہ معلوم نہیں کہ یہ تحریر اس کے خاوند کی ہے یا نہیں البتہ اس کی غالب رائے یہی ہے کہ یہ

حق ہے تو اب عدت گذارنے اور پھر نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ زوجیت کا قاطع نکاح پر طاری ہے اور اسے رد کرنے والی کوئی بات (منازع) بھی نہیں ہے۔

اگر کسی عورت کو کسی شخص نے خبر دی کہ اس کا جو نکاح ہوا تھا وہ فاسد تھا یا نکاح کے وقت اس کا خاوند مرتد تھا یا اس کا رضاعی بھائی ہے تو اس شخص کی بات اس وقت تک قبول نہیں کی جائے گی جب تک دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی نہ دے دیں۔ کیونکہ یہ خبر ایسے فساد کی خبر ہے جو عقد سے ملا ہوا ہے اور عقد پر اقدام صحت عقد اور انکار فساد کی دلیل ہے لہٰذا منازع ثابت ہو گیا گویا نتیجہ یہ نکلا کہ اگر قاطع طاری ہو تو ایک شخص کی بات معتبر ہو گی اور اگر قاطع عقد سے ملا ہوا ہو تو اس کی بات غیر معتبر ہو گی کیونکہ پہلی صورت میں منازع نہیں ہے اور دوسری صورت میں منازع ہے۔

احکار (ذخیرہ اندوزی)

ذخیرہ اندوزی اگر ایسے شہر میں کی جائے کہ اس سے وہاں کے رہنے والوں کو نقصان پہنچتا ہو تو ناجائز ہے اور اگر نقصان نہ پہنچتا ہو تو جائز ہے۔

شہر سے باہر جا کر غلہ لانے والوں سے ملنا اور سودا خرید لینا اس کا بھی یہی حکم ہے اگر وہ شہر کے اندر کا بھاؤ بتا دیتے ہیں تو کوئی حرج نہیں اور اگر جھوٹ بول کر ان سے سستا مال خرید لیتے ہیں تو یہ حرام ہے۔

ذخیرہ اندوزی کی ممانعت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد میں مذکور ہے کہ "لوگوں تک رزق پہنچانے والا مرزوق ہے اور ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے۔"

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ذخیرہ اندوزی صرف کھانے پینے کی اشیاء میں ہوتی ہے جبکہ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر وہ چیز جس کے روکنے سے عام مسلمانوں کو نقصان پہنچے وہ ذخیرہ اندوزی ہے چاہے سونا چاندی ہو یا کپڑے، جبکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کپڑوں میں ذخیرہ اندوزی نہیں ہوتی۔ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ حقیقت ضرر کا اعتبار کرتے ہیں کیونکہ کراہت میں یہی موثر ہے جب کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ ضرر معتبر ہے جو متعارف ہو۔ ذخیرہ اندوزی کے حرام ہونے کے سلسلے میں وقت کا بھی اعتبار ہوتا ہے وقت مختصر ہو تو ضرر نہ ہونے کی وجہ سے ذخیرہ اندوزی ناجائز نہیں ہو گی اور اگر وقت زیادہ ہو تو مکروہ ہو گی۔

بعض فقہاء کے نزدیک لمبی مدت چالیس دن ہیں کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص نے چالیس دن کھانے کو روکے رکھا اللہ تعالیٰ اس سے بیزار ہے اور اس کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں۔"

بعض حضرات کے نزدیک ایک مہینہ مقرر ہے کیونکہ ایک مہینے سے کم مدت قلیل ہوتی ہے اور ایک مہینہ یا اس سے زائد زیادہ مدت کہلاتی ہے اگر ذخیرہ اندوز محض غلہ کی قلت کا انتظار کرے تو گناہ کم ہو گا لیکن قحط سالی کے انتظار میں رزق روکے رکھے تو زیادہ گنہگار ہو گا۔ اپنی زمین کا غلہ روکے رکھنا یا باہر سے لایا ہوا غلہ مارکیٹ میں لائے بغیر گھر میں روکے رکھنا ذخیرہ اندوزی نہیں ہے۔

پہلی صورت میں اس لئے کہ اگر وہ کھیتی باڑی نہ کرے تو بھی جائز ہے اس طرح اگر وہ اپنا غلہ نہ بیچے تو یہ بھی جائز ہو گا کیونکہ یہ اس کا اپنا حق ہے دوسروں کا حق اس سے متعلق نہیں ہے۔

دوسری صورت کے سلسلے میں حنفی ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چونکہ اس غلہ کو جو باہر سے لایا گیا شہر کی مارکیٹ میں نہیں پہنچایا گیا اور نہ شہر کے باہر لا کر اسے رکھا گیا لہٰذا عام لوگوں کا حق

اس سے متعلق نہیں ہوا۔

امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ حدیث شریف کے مطلق ہونے کی وجہ سے اس کو بھی مکروہ قرار دیتے ہیں جبکہ امام محمد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ ایسے مقام سے لایا گیا ہے جہاں سے عام طور پر شہر میں غلہ لایا جاتا ہے تو وہ فناء مصر کی طرح ہو گا اور عام لوگوں کا حق متعلق ہونے کی وجہ سے ذخیرہ اندوزی ناجائز ہو گی اور اگر کسی دور کے شہر سے لایا ہے جہاں سے عام طور پر غلہ لایا جاتا تو ذخیرہ اندوزی حرام نہیں ہو گی کیونکہ عام لوگوں کا حق اس سے متعلق نہیں ہوا ہے۔

اگر ذخیرہ اندوز کا معاملہ قاضی کے سامنے پیش کیا جائے تو قاضی اسے حکم دے گا کہ جتنا غلہ اس کی اور گھر والوں کی ضرورت سے زائد ہے اسے بیچ دے اور اسے آئندہ کے لئے ذخیرہ اندوزی سے منع کر دے گا اور اگر دوبارہ اسی جرم میں عدالت میں پیش کیا گیا تو قاضی اسے قید کرے گا اور جو سزا مناسب سمجھے دے گا۔

نرخ مقرر کرنا

عام حالات میں بادشاہ کو نرخ مقرر کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "نرخ مقرر کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے وہی رزق کو تنگ کرنے والا، کشادہ کرنے والا اور رزق دینے والا ہے۔"

دوسری دلیل یہ ہے کہ ثمن عاقد کا حق ہے لہٰذا اسے وہی مقرر کر سکتا ہے حکمران اس کے حق میں دخل اندازی نہیں کر سکتا البتہ اگر دوکاندار غنڈہ گردی کرے اور قیمت میں بہت تجاوز کرلے تو اب قاضی کو یہ حق حاصل ہے کہ اہل رائے اور تجربہ کار لوگوں کے مشورے سے نرخ مقرر کر دے تاکہ مسلمانوں کے حقوق کو بچایا جاسکے اور ضرر عام کو دور کیا جاسکے۔ نرخ مقرر کرنے کے باوجود اگر کوئی شخص اس سے تجاوز کرتا ہے اور اس سے زیادہ قیمت پر بیچتا ہے تو امام

ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک قاضی اس کی بیع کو جائز قرار دے گا کیونکہ ان کے نزدیک آزاد آدمی پر پابندی جائز نہیں ہے۔ صاحبین کا مسلک بھی یہی ہے البتہ وہ یہ فرماتے ہیں کہ ایک معین جماعت پر پابندی لگائی جاسکتی ہے عام لوگوں پر نہیں۔

ذخیرہ اندوز کے غلہ کو قاضی بیچ سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے کہا کہ امام صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مذہب پر نہیں بیچ سکتا اور صاحبین کے مذہب پر بیچ سکتا ہے۔ جس طرح مدیون مفلس قرض کی ادائیگی کے لئے اپنا مال نہ بیچے تو قاضی کے بیچنے کے سلسلے میں یہی اختلاف ہے۔ لیکن ایک قول کے مطابق بالاتفاق قاضی ذخیرہ اندوز کا مال بیچ سکتا ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ ضرر عام کو دور کرنے کے لئے کسی پر پابندی لگانے کو جائز سمجھتے ہیں اور یہاں بھی یہی صورتحال ہے۔

جس چیز کے بیچنے سے مشتری کی طرف سے فتنہ یا گناہ کا خطرہ ہو اس کا بیچنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً فتنہ و فساد کے دنوں میں فتنہ پسند لوگوں پر اسلحہ بیچنا مکروہ ہے اور اگر جس چیز کا سودا ہو رہا ہے وہ بذات خود گناہ کا سبب نہیں بنتی بلکہ اس میں تبدیلی پیدا کرنے کے بعد گناہ کا ارتکاب کیا جائے تو اس کے بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے مثلاً انگور کا رس ایسے آدمی پر بیچنے میں کوئی حرج نہیں جو اسے شراب بنائے گا کیونکہ گناہ کا تعلق انگور کے رس کے ساتھ نہیں بلکہ شراب کے ساتھ ہے جب کہ اسلحہ ذاتی طور پر گناہ کا سبب بنتا ہے۔ اس لئے ایام فتنہ میں اس کی بیع ناجائز قرار دی گئی۔

آتش پرستی وغیرہ کے لئے مکان کرایہ پر دینا

اگر کوئی شخص اپنا مکان کرایہ پر دیتا ہے تاکہ اس میں کرایہ دار پوجا کے

لئے آتش کدہ بنائے یا اس میں عیسائیوں اور یہودیوں کی عبادت گاہیں بنائی جائیں یا شراب بیچی جائے اور یہ ایسا مقام ہو جہاں شعائر اسلام واضح نہ ہوں بلکہ ذمی لوگوں کا غلبہ ہو تو اس عمارت کو کرایہ پر دینے میں ائمہ احناف کے درمیان اختلاف ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے وہ فرماتے ہیں کہ اجارہ مکان کے منافع پر ہے اور اس میں کوئی گناہ نہیں گناہ کرایہ دار کے فعل میں ہے اور وہ مختار ہے لہٰذا مالک مکان پر کوئی الزام نہیں آئے گا۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ اس مقصد کے لئے عمارت کو کرایہ پر دینا مناسب نہیں ہے کیونکہ یہ گناہ پر مدد کرنا ہے۔

(نوٹ) جن مقامات میں اسلام کے شعائر واضح ہوں اور مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو وہاں بالاتفاق مسلمان اپنا مکان اس مقصد کے لئے کرایہ پر نہیں دے سکتا۔

اگر کوئی شخص اجرت پر ذمی کی شراب اٹھا کر لے جاتا ہے تو مزدوری لینا امام صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے کیونکہ گناہ شراب کے پینے میں ہے اور ضروری نہیں ہے کہ اسے اٹھا کر لے جانے والا اسے پئے۔

صاحبین کے نزدیک یہ اجرت مکروہ ہے کیونکہ یہ گناہ پر مدد کرنا ہے نیز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحیح حدیث شریف میں آیا ہے کہ آپ نے شراب کے سلسلے میں دس آدمیوں پر لعنت بھیجی جن میں سے ایک شراب اٹھانے والا اور دوسرا وہ ہے جس کے لئے شراب کو اٹھایا گیا۔

امام صاحب رحمتہ اللہ علیہ اس حدیث شریف کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس حدیث شریف میں اٹھانے سے مراد ایسا اٹھانا ہے جس میں گناہ کا ارادہ ہو۔

مکہ مکرمہ کے مکانات بیچنا

امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک مکہ مکرمہ کے مکانات کی عمارت بیچنے

کوئی حرج نہیں جبکہ اس کی زمین بیچنا ناجائز ہے۔

صاحبین کے نزدیک اس کی زمین بھی بیچی جاسکتی ہے۔ امام صاحب سے بھی روایت اس طرح منقول ہے صاحبین فرماتے ہیں کہ مکان کی عمارت کی طرح زمین بھی ان کی ملکیت ہے کیونکہ وہ شرعی طور پر ان کے لئے خاص ہے لہٰذا وہ مالک زمین بیچ سکتے ہیں۔ امام صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سنو "مکہ مکرمہ زمین قابل احترام ہے، نہ اسے بیچا جائے اور نہ اسے وراثت میں دیا جائے۔"

دوسری دلیل یہ ہے کہ کعبہ مکرمہ کے اردگرد ہونے کی وجہ سے یہ زمین محترم ہے اور کعبتہ اللہ کی تعظیم کا اس میں اثر ہے حتیٰ کہ اس کے شکار کو نہیں مارا جاتا اور نہ ہی اس کی گھاس وغیرہ کاٹی جاتی ہے لہٰذا بیچنے کے حق میں بھی یہی حکم ہوگا جبکہ عمارت مکان بنانے والے کی ذاتی ملکیت ہے اور اس کے لئے خاص ہے۔

مکہ مکرمہ کی زمین کو کرایہ پر دینا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جس شخص نے مکہ مکرمہ کی زمین اجرت پر لی گویا اس نے سود کھایا" نیز مکہ مکرمہ کی زمین کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں "سوائب" کہا جاتا تھا۔ یعنی ایسی زمین جس پر کسی کا کنٹرول نہیں ہے۔ جو آدمی ضرورت مند ہو وہ اس میں رہے اور جو بے نیاز ہو وہ دوسرے کو ٹھہرائے۔

قرض سے نفع حاصل کرنا

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے قرض سے منع فرمایا جس سے نفع حاصل کیا جائے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص کسی دوکاندار کے پاس کچھ رقم رکھ کر

مختلف اوقات میں مختلف چیزیں لینا چاہتا ہے تو اس کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ رقم دکاندار کے پاس بطور قرض رکھے بلکہ بطور امانت رکھے۔ اب جو چیز چاہے لے سکتا ہے۔ قرض اور ودیعت (امانت) میں یہ فرق ہو گا کہ قرض کی صورت میں مال ضائع ہونے کی وجہ سے ضمان ہو گی اور ودیعت کی صورت میں ضمان نہیں ہو گی۔

مسائل متفرقہ : مسئلہ نمبر۱

قرآن پاک کے اعراب اور آیات کے درمیان علامات کو قدماء نے مکروہ قرار دیا کیونکہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے **"جردوالقرآن"** اور ایک روایت میں **"جردو المصاحف"** آیا ہے لہذا اعراب وغیرہ اس تجرید کے خلاف ہے۔ نیز اس کی وجہ سے اعراب کے سلسلے میں آیات کی پہچان میں لوگوں کی سستی کا خدشہ ہے۔ لیکن متاخرین علماء نے اہل عجم کے لئے اسے حسن قرار دیا ہے کیونکہ اعراب وغیرہ نہ ہونے کی وجہ سے حفظ قرآن میں خلل واقع ہوتا ہے اور یوں قرآن پاک کو چھوڑنے کی نوبت آسکتی ہے قرآن پاک اور اسی طرح دیگر الہامی کتب کو مزین کرنا جائز ہے۔ کیونکہ یہ تعظیم ہے اور یہ اسی طرح ہے جیسے مسجد میں نقش و نگار کیا جائے اور سونے کے پانی سے اسے مزین کیا جائے۔

مسئلہ نمبر۲

ذمی کافروں کا مسجد حرام میں داخل ہونا

اس مسئلے میں احناف کا امام شافعی اور امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک ذمی کافر مسجد حرام میں داخل ہو سکتا ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ **ثقیف** کے وفد کو مسجد میں اتارا حالانکہ

وہ کافر تھے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک ذمی کافروں کا مسجد حرام میں داخل ہونا مکروہ ہے ان کی دلیل آیت کریمہ **انما المشرکون نجس فلایقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا** ہے نیز کافر جنابت سے خالی نہیں ہوتا کیونکہ وہ ایسا غسل نہیں کرتا جس میں جنابت ختم ہو جائے۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک کافر کسی مسجد میں بھی داخل نہیں ہو سکتا ان کے دلائل بھی وہی ہیں جو امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے دیئے ہیں۔ لیکن وہ یہ فرماتے ہیں کہ نجاست کی وجہ سے کافر کسی بھی مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا۔ احناف کی طرف سے ان حضرات کو یہ جواب دیا جاتا ہے کہ کفار کی نجاست عقیدے کے اعتبار سے ہے لہذا مسجد کے نجاست آلود ہونے کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ نیز ان کو بطور غالب قوم یا ننگے ہو کر طواف کرنے کے لئے مسجد حرام کے قریب سے روکا گیا ہے۔

مسئلہ نمبر۳

خصی کو ملازم رکھنا اور جانوروں کو خصی کرنا اور گھوڑی کو گدھے سے جفتی کرنا

فقہاء کرام نے خصی شخص سے خدمت لینا یعنی خصی لوگوں کو زیادہ ملازمتیں دینا مکروہ لکھا ہے کیونکہ اس طرح اس عمل میں زیادہ دلچسپی لیں گے جبکہ یہ مثلہ ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔ جانور کو خصی کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس سے جانور اور انسان دونوں کو فائدہ پہنچتا ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے دو مینڈھوں کی قربانی دی تھی۔ گھوڑی کو گدھے سے جفتی کرنے کی صورت میں خچر پیدا ہوتی ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خچر پر سواری فرمائی لہذا یہ عمل جائز

ہے۔ اگر حرام ہوتا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر سواری نہ فرماتے۔

مسئلہ نمبر۴

یہود نصاریٰ کی بیمار پرسی

یہود نصاریٰ کی بیمار پرسی میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ ان کے ساتھ حسن سلوک ہے اور اسلام نے ہمیں اس سے منع نہیں فرمایا بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پڑوس میں ایک بیمار یہودی کی عیادت فرمائی۔

مسئلہ نمبر۵

دعاء میں بعض الفاظ کی کراہت

کسی شخص کا اپنی دعاء میں **اسئلک بمعقد العز من عرشک** یا **بمقعد العز من عرشک** کے الفاظ استعمال کرنا مکروہ ہے کیونکہ پہلی صورت میں اللہ تعالیٰ کی عزت کی نسبت عرش کی طرف اور عرش کی وجہ سے اس کے حصول کا وہم پڑتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں اور عرش حادث ہے۔ دوسری قسم کے الفاظ اس لئے ناجائز ہے کہ مقعد کا لفظ قعود سے بنا ہے جس کا معنی بیٹھنا ہے اور اللہ تعالیٰ بیٹھنے سے پاک ہے۔ لیکن امام ابویوسف رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک ان الفاظ کے ساتھ یعنی پہلی قسم کے الفاظ کے ساتھ دعاء مانگنے میں کوئی حرج نہیں فقیہ ابولیث ثمرقندی رحمتہ اللہ علیہ کا بھی وہی موقف ہے ان کی دلیل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک روایت ہے کہ آپ کی دعاء میں یہ الفاظ ہوتے تھے **اللھم انی اسالک بمعقد العز من عرشک و منتھیٰ الرحمۃ من کتابک و باسمک الاعظم**

وجدک الاعلی و کلماتک التامۃ

اس کا جواب یوں دیا جاتا ہے کہ یہ خبرواحد ہے اور احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ ایسے الفاظ سے بچا جائے۔ فقہاء کرام نے بحق فلاں یا بحق انبیائک و رسلک کے الفاظ کے ذریعے دعا مانگنے کو مکروہ لکھا ہے کیونکہ مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر۶

شطرنج وغیرہ سے کھیلنا

شطرنج یا اس قسم کے دوسرے آلات کے ساتھ کھیلنا بلکہ ہر بے مقصد کھیل کے بارے میں فقہاء کرام نے یہ لکھا ہے کہ اگر اس میں جوئے بازی ہے تو وہ نص کے ساتھ حرام ہے **انما الخمر** الخ اور اگر جوا نہ ہو تو محض کھیل اور فضول کام ہونے کی وجہ سے ناجائز ہو گا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "مومن کا کھیل باطل ہے سوائے تین صورتوں کے گھوڑے کی تربیت، تیراندازی، مقابلہ اور مرد کا اپنی بیوی سے کھیلنا۔" بعض حضرات جن میں امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ بھی ہیں کے نزدیک شطرنج کھیلنا جائز ہے کیونکہ اس میں ذہنی اور دماغی طور پر تازگی اور ذکاوت کا حصول ہے۔ احناف کی طرف سے انہیں یہ جواب دیا جاتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جو شخص شطرنج اور نردشیر کے ساتھ کھیلتا ہے گویا وہ اپنا ہاتھ خنزیر کے خون میں ڈبوتا ہے۔" نیز یہ ایک قسم کا کھیل ہے جو کھیلنے والے کو اللہ کے ذکر اور نماز باجماعت سے روکتا ہے۔ لہٰذا یہ حرام ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جو چیز تجھے اللہ کے ذکر سے روک دے جوا ہے۔" پھر اگر اس میں پیسے وغیرہ لگائے ہوں تو یہ شخص عادل نہیں رہے گا اور اگر پیسے وغیرہ نہیں لگائے تو اس کی

عدالت ساقط نہیں ہو گی کیونکہ اس میں تاویل کی گئی ہے یعنی امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے اسے ذہنی تازگی کے لئے جائز قرار دیا۔ ایسے لوگوں کو سلام کرنے کے بارے میں صاحبین اور امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے درمیان اختلاف ہے صاحبین کے نزدیک ان کو سلام کرنا مکروہ ہے تاکہ انہیں اس عمل سے بچایا جاسکے لیکن امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک ان کو سلام کرنا جائز ہے تاکہ کچھ دیر کے لئے ان کی توجہ اس عمل سے ہٹ جائے۔

مسئلہ نمبر ۷

غلام تاجر کا عطیہ قبول کرنا

قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ تاجر غلام کا عطیہ اور دعوت قبول کرنا نیز اس سے سواری عاریتاً" لینا اور اسے لباس پہنانا اور تحفے کے طور پر روپیہ پیسہ دینا جائز نہ ہو کیونکہ یہ ایک قسم کا حسن سلوک ہے اور غلام کسی چیز کا مالک نہ ہونے کی وجہ سے اس کا اہل نہیں ہے۔ لیکن فقہاء کرام نے "استحساناً" تاجر غلام سے ہدیہ قبول کرنا اور اس کی دعوت قبول کرنا اور جانور بطور ادھار لینا جائز قرار دیا ہے جبکہ اس کا کپڑے پہنانا اور روپیہ پیسہ ناجائز قرار دیا کیونکہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہدیہ قبول فرمایا حالانکہ وہ غلام تھے۔ اور حضرت بریرہ مکاتبہ تھیں۔ اس طرح صحابہ کرام کی ایک جماعت نے ابو اسید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت کو قبول کیا اور دوسری بات یہ ہے کہ تاجر کیلئے تحائف کا لین دین ضروری ہے جب وہ تجارت کا مالک ہے تو اسے تحائف دینے کا اختیار بھی دیا البتہ لباس پہنانا یا روپیہ پیسہ بطور ہدیہ دینا تجارت کی ضرورت میں سے نہیں ہے لہٰذا یہ ایک اصل قیاس پر باقی رہے گا۔

مسئلہ نمبر ۸

چھوٹے بچوں پر تصرف

چھوٹے بچوں پر تصرف کی تین قسمیں ہیں :

۱۔ جس کا ولایت سے تعلق ہو۔ اس تصرف کا حق بچے کے ولی کو حاصل ہوتا ہے مثلاً اس کا نکاح کرنا اور اس کے مال کو بڑھانے کے لئے خرید فروخت کرنا۔ ولی کو اس بچے کے قائم مقام قرار دیا ہے۔

۲۔ بچے کے لئے بچپن کی حالت میں ضروریات کا تصرف۔ یعنی بچے کے لئے ایسی چیز کا خریدنا اور بیچنا جو اس کے لئے ضروری ہو۔ مثلاً کھانا' لباس وغیرہ۔ اس طرح اسے دودھ پلانے کے لئے کسی عورت کو اجرت پر حاصل کرنا اس تصرف کا اختیار ان لوگوں کو حاصل ہے جو اس بچے کی پرورش کرنے اور اس پر مال خرچ کرتے ہیں جیسے بھائی' چچا اور ماں۔

۳۔ ایسے امور جن میں بچے کا محض نفع ہو۔ جیسے اس کے لئے ہبہ اور صدقہ قبول کرنا اور اس پر قبضہ کرنا۔ اس کا اختیار بھائی' چچا' اور خود اس بچے کو بھی حاصل ہے جو سمجھ دار ہو۔ اس طرح وہ شخص جسے کوئی گمشدہ بچہ ملا اور اسے ملتقط کہتے ہیں وہ بھی اس تصرف کا اختیار رکھتا ہے۔

مسئلہ : **ملتقط لقیط** (گمشدہ بچہ) کو اجرت پر نہیں دے سکتا اس طرح چچا بھی اجرت پر نہیں دے سکتا۔ خود بچہ بھی اپنے آپ کو اجرت کے لئے پیش نہیں کر سکتا۔ البتہ بچے کی ماں اسے اجرت پر دے سکتی ہے بشرطیکہ وہ اس کی پرورش میں ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اجرت کی صورت میں نفع کے ساتھ ضرر بھی ہوتا ہے کیونکہ بچے سے خدمت لی جاتی ہے اور ماں کو اس صورت میں بچے

سے منافع ضائع کرنے کا حق حاصل ہے جب کہ دوسرے لوگوں کو یہ حق نہیں ہے۔ البتہ اگر اس بچے کو اجرت پر دے دیا گیا اور ان لوگوں نے دیا جن کو یہ اختیار نہیں تھا پھر وہ کام سے فارغ ہو گیا تو اب اجرت لینا جائز ہے کیونکہ یہ محض نفع ہے۔

غلام کے گلے میں طوق ڈالنا

غلام کے گلے میں اس قسم کا طوق ڈالنا جس سے وہ اپنے سر کو حرکت نہ دے سکے جائز نہیں ہے کیونکہ یہ جھنجھیوں کی سزا ہے۔ لہذا آگ میں جلانے کی طرح یہ بھی حرام ہے۔ البتہ اس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالی جا سکتی ہیں۔ کیونکہ یہ مسلمانوں کے ہاں مروج ہے وہ فساق اور نا سمجھ قسم کے لوگوں کو بھاگنے سے روکنے کے لئے بیڑیاں ڈالتے ہیں لہذا مالک غلام کو بھاگنے سے روکنے اور اپنے مال کی حفاظت کے لئے ایسا کر سکتا ہے۔

علاج معالجہ

حقنہ یا کسی قسم کا بھی علاج جائز ہے کیونکہ بالاجماع دوائی استعمال کرنا مباح ہے اور احادیث میں اس کا ذکر موجود ہے۔ اس سلسلے میں مرد اور عورت کے درمیان کوئی امتیاز نہیں ہے البتہ حرام چیز مثلاً شراب وغیرہ سے بچنا ضروری ہے کیونکہ حرام سے شفاء حاصل کرنا بھی حرام ہے لیکن یہ اسی صورت میں ہے جب اس کے بغیر علاج ممکن ہو۔ اگر یہ معلوم ہو کہ اس سے شفاء حاصل ہو گی اور اس کے علاوہ کوئی دوسری دوائی بھی نہ ہو تو اب اس سے علاج جائز ہے۔

قاضی وغیرہ کی تنخواہ

قاضی یا اس قسم کے لوگ جو مسلمانوں کے حقوق کے لئے پابند ہو جاتے

ہیں ان کے اخراجات بیت المال سے دیتا ہوں گے کیونکہ یہ مسلمانوں کا مال ہے اور ان لوگوں کے اخراجات کی ذمہ داری مسلمانوں پر ہے۔ جیسے مضارب مال مضاربہ لے کر جا رہا ہو یا وصی وصیت کی تکمیل کے لئے جائے تو آمد و رفت کے اخراجات اسی مال میں سے لے گا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ سرکار دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عتاب بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ مکرمہ کی طرف اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو ان کے لئے نفقہ مقرر فرمایا۔

(نوٹ) ۱۔ یہ نفقہ بقدر کفایت ہونا چاہئے نیز پہلے سے شرط رکھنا حرام ہے کیونکہ یہ اطاعت پر اجارہ ہے۔

۲۔ اگر قاضی فقیر ہو تو تنخواہ لینا افضل بلکہ واجب ہے کیونکہ اس کے بغیر وہ دلجمی کے ساتھ فرض قضا کو ادا نہیں کر سکتا اور اگر وہ مالدار ہو تو نہ لینا بہتر ہے لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ پھر بھی اسے تنخواہ لینی چاہئے کیونکہ نہ لینے کی صورت میں ایک تو اس منصب کی رسوائی ہے اور دوسرا بعد میں آنے والے ضرورت مند قاضی کے لئے پریشانی بن سکتی ہے کیونکہ جب ایک عادت ختم ہو جائے تو اسے دوبارہ جاری کرنا مشکل ہوتا ہے۔

۳۔ اگر قاضی نے ایک سال کی تنخواہ پیشگی لے لی پھر دوران سال اسے معزول کر دیا گیا تو اب بقیہ مال واپس کرے گا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے لیکن زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ واپس کرنا واجب ہے۔

لونڈی کا محرم کے بغیر سفر

لونڈی اور ام ولد محرم کے بغیر سفر کر سکتی ہیں کیونکہ دیکھنے اور ہاتھ لگانے کے سلسلے میں اجنبی لوگ ان کے لئے محارم کی طرح ہیں اور ام ولد میں چونکہ

ملکیت قائم ہوتی ہے لہٰذا وہ بھی دوسری لونڈی کی طرح ہے۔

سوالات

۱۔ کراہت کا لغوی و اصطلاحی مفہوم بیان کریں نیز اس کے مفہوم میں کیا اختلاف ہے؟

۲۔ سونے، چاندی اور دیگر دھاتوں کے استعمال کے بارے میں شرعی حکم تفصیلاً واضح کریں؟

۳۔ مجوسی، غلام، لونڈی بچے اور فاسق کی خبر کہاں کہاں معتبر ہے؟

۴۔ لہو و لعب پر مبنی دعوت ولیمہ میں شرکت کا تفصیلی حکم واضح کریں؟

۵۔ حریر اور دیباج کی تعریف کریں اور دنوں کے استعمال کا حکم لکھیں؟

۶۔ سونے اور دیگر دھاتوں کی انگوٹھی پہننا کیسا ہے؟ وضاحت کریں۔

۷۔ اجنبیہ عورت کو دیکھنا کہاں تک جائز ہے نیز ان کو چھونے کا حکم کیا ہے؟

۸۔ کن کن لوگوں کو اجنبیہ عورت کی طرف دیکھنا جائز ہے؟

۹۔ مرد کا مرد کو، عورت کا مرد کو، عورت کا عورت کو اور مرد کا اپنی لونڈی کو دیکھنا کس حد تک جائز ہے۔ تفصیلاً ذکر کریں؟

۱۰۔ لونڈی کا استبراء کن کن صورتوں میں ضروری ہے اور کب اس کی ضرورت نہیں ہے؟

۱۱۔ مرد کا مرد کے چہرے پر بوسہ دینا ہاتھوں کو چومنا، معانقہ کرنا اور مصافحہ کرنا ازروئے شرع کیا ہے؟

۱۲۔ کس چیز کو بیچا جاسکتا ہے اور کس کو نہیں۔ قاعدہ کیا ہے؟

۱۳۔ ذخیرہ اندوزی کا مفہوم ذکر کریں اور جائز و ناجائز صورتوں کی

وضاحت کریں؟

نرخ مقرر کرنا ازروئے شرع کیا ہے؟

مندرجہ ذیل کا حکم واضح کریں

اہل ذمہ کا مسجد حرام میں داخل ہونا، جانوروں کو خصی کرنا، یہود و نصاریٰ کی عیادت کرنا، تاجر غلام کی دعوت قبول کرنا اور اس سے تحفہ لینا۔

تصرف علی الصغار کی کتنی اقسام ہیں وضاحت کریں اور ہر ایک کا حکم بیان کریں؟

قاضی اور دیگر افراد جو قوم کی خدمت میں مصروف ہوتے ہیں ان کی تنخواہ کا کیا حکم ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرابوں کا بیان

اس کتاب میں کچھ مشروبات کا ذکر ہے جو مختلف پھلوں یا غلے وغیرہ سے بنتے ہیں۔ ان کے احکام کا ذکر کیا گیا ہے اور وہ احکام یہ ہیں۔ حرمت و حلت، نجاست و طہارت، حد کا نفاذ یا عدم نفاذ، حرام ہونے کی صورت میں حلال کہنے والے کی تکفیر یا عدم تکفیر۔ یہ مشروبات مندرجہ ذیل ہیں:

۱- خمر
۲- باذق
۳- منصف (ان دونوں کو طلاء کہتے ہیں)
۴- نقیع التمر (سکر)
۵- نقیع الزبیب
۶- گندم کا پانی
۷- جو کا پانی
۸- شہد کا نبیذ
۹- جوار کا پانی
۱۰- انجیر کا نبیذ وغیرہ۔

ان کے احکام میں کچھ اور باتیں بھی شامل ہیں۔ مثلاً دو پھلوں کو

شراب کا سرکہ بن جانا یا بنانا، خمر کی تلچھٹ کا پینا۔

تفصیل : حرام مشروبات میں سے سب سے اہم اور سخت مشروب "خمر" ہے۔ خمر کے سلسلے میں فقہاء کرام نے دس طرح گفتگو کی ہے۔

۱- خمر کی ماہیت

احناف کے نزدیک انگور کا غیر مطبوخ رس جب جوش کھائے اور سخت ہو جائے نیز جھاگ چھوڑ دے تو اسے خمر کہتے ہیں کیونکہ اس صورت میں وہ نشہ آور ہو جاتا ہے۔ اہل لغت اور اہل فقہ کے نزدیک یہی معنی معروف ہے۔ لیکن بعض حضرات جن سے غالباً امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ مراد ہیں ہر نشہ آور چیز کو خمر کہتے ہیں۔ وہ دو احادیث سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا **کل مسکر خمر** نیز آپ نے فرمایا **الخمر من ھاتین الشجرتین** اور آپ نے یہ ارشاد فرماتے ہوئے انگور اور کھجور کی طرف اشارہ فرمایا نیز اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ لفظ خمر، مخامرۃ العقل سے مشتق ہے یعنی عقل کو ڈھانپ دینا اور یہ معنی ہر نشہ آور چیز میں پایا جاتا ہے۔

احناف کی طرف سے یہ جواب دیا جاتا ہے کہ تمام اہل لغت کے اتفاق سے لفظ خمر انگور کے کچے رس پر بولا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے لئے خمر کا لفظ اور دوسری نشہ آور چیز کے لئے دوسرے الفاظ مشہور ہیں۔ پھر خمر کی حرمت قطعی ہے جب کہ دوسرے نشہ آور مشروبات کی حرمت ظنی ہے۔ تو اگر ان کو بھی خمر کہا جائے تو وہ بھی قطعی طور پر حرام قرار پائیں گے جو کہ صحیح نہیں ہے۔

اور خمر کو مخامرۃ العقل سے ماننا صحیح نہیں ہے بلکہ اس کا مادۂ **اشتقاق** "تخمر" ہے جس کا معنی شدت اور قوت ہے۔ پھر اگر آپ کی بات کو مان بھی لیا جائے تو لفظ خمر کا کسی ایک معنی کے لئے خاص ہونا اس **اشتقاق** کے منافی نہیں

ہے۔ جیسے "نجم" نجوم سے مشتق ہے جس کا معنی ظاہر ہونا ہے لیکن اس کے باوجود ہر ظاہر چیز کو نجم نہیں کہتے بلکہ یہ ایک معروف ستارے کا نام ہے جہاں تک ان حضرات کی طرف سے پیش کردہ احادیث کا تعلق ہے تو پہلی حدیث کو حضرت یحییٰ بن معین کی طرف سے صحیح قرار نہیں دیا گیا اور دوسری حدیث سے مراد بیان حکم ہے کیونکہ منصب رسالت کے لائق احکام کا بیان ہے' لغت اور وضع بیان کرنا نہیں ہے گویا آپ نے یہ بتایا کہ ان درختوں سے حاصل ہونے والا رس جب حرمت کی حد کو پہنچ جائے تو اس کا حکم وہی ہو گا جو خمر کا ہے۔

۲- اسم خمر کا ثبوت کب ہو گا؟

اس سلسلے میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمهم الله کے درمیان اختلاف ہے۔ امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک جب انگور کا کچا رس جوش کھانے کے بعد شدت اختیار کر جائے اور جھاگ چھوڑے تو وہ خمر کہلاتا ہے۔ لیکن صاحبین کے نزدیک محض شدت کافی ہے' جھاگ چھوڑنا شرط نہیں ہے کیونکہ خمر کی خرابیاں اس حالت میں پیدا ہو جاتی ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شدت کی ابتداء جوش ہے اور جھاگ چھوڑنا اس کی انتہا ہے اور چونکہ احکام شرع قطعیہ ہیں لہٰذا ان کا دارومدار انتہاء پر ہوتا ہے مثلاً کسی پر حد لگانا یا حلال سمجھنے والے کو کافر قرار دینا یا اس کی بیع کو حرام قرار دینا ان تمام امور کے لئے ضروری ہے کہ وہ شدت اپنی انتہا کو پہنچے۔

۳- خمر بعینہ حرام ہے

اس کی علت نشہ دینا ہے اور نہ ہی وہ نشہ دینے پر موقوف ہے۔ بعض لوگوں نے اس کا انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ جب وہ نشہ دے تو حرام ہے کیونکہ فساد یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روکنا اسی صورت میں متحقق ہوتا ہے لیکن ان کا یہ

نل کفر ہے کیونکہ یہ کتاب اللہ کا انکار ہے۔ قرآن پاک نے اسے "رجس" قرار یا اور رجس وہ چیز ہے جو ذاتی طور پر حرام ہو۔ اس سلسلے میں حضور اکرم صلی اللہ یہ وآلہ وسلم سے متواتر احادیث آئی ہیں کہ آپ نے خمر کو حرام قرار دیا۔ اسی پر ہماع منعقد ہے نیز اس کا قلیل کثیر کی دعوت دیتا ہے جبکہ دیگر مشروبات میں یہ بات نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک چونکہ اس کی علت نشہ دینا نہیں ہے۔ اس لئے دوسرے مشروبات کو خمر نہیں کہتے جبکہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ اس کی علت نشہ قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا ان کے نزدیک ہر نشہ آور چیز خمر کہلائے گی اور اس کے لئے وہی حکم ہو گا جو خمر کا ہے۔

لیکن امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کی یہ تعلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ سنت شہورہ کے خلاف ہے نیز یہ تعلیل ایک اسم کو ایک چیز سے دوسری اشیاء کی طرف متعدی کرنے کے لئے ہے حالانکہ تعلیل احکام میں ہوتی ہے ناموں میں نہیں۔

۴- نجاست خمر

دلائل قطعیہ سے ثابت ہے کہ شراب (خمر) نجاست غلیظہ ہے۔

۵- حرمت خمر کا انکار

خمر کو حلال سمجھنے والا کافر ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہے اور وہ اس کا منکر ہے۔

۱- خمر کا مال متقوم نہ ہونا

چونکہ اللہ تعالیٰ نے خمر کو نجس قرار دیا ہے اس لئے یہ قابل توہین ہے جبکہ مال متقوم ہونا اس مال کی عزت کو ظاہر کرتا ہے لہٰذا خمر مسلمان کے حق میں مال متقوم نہیں ہے حتیٰ کہ اس کو ضائع کرنے والا یا اس کو غصب کرنے والا

تاوان نہیں دے گا اس طرح اس کی خرید و فروخت بھی جائز نہیں ہے سرکار دوعالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جس ذات نے خمر کے پینے کو حرام کیا اسی نے اس کے سودے اور اس کی قیمت کے کھانے کو بھی حرام کیا۔"

خمر کے مال ہونے میں اختلاف ہے لیکن زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ مال ہے کیونکہ اس کی طرف طبیعتوں کا میلان ہوتا ہے۔

۷۔ خمر سے نفع اٹھانا

خمر سے نفع لینا حرام ہے کیونکہ ناپاک چیز سے نفع اٹھانا حرام ہے نیز اس سے اجتناب واجب ہے جبکہ نفع اٹھانے میں اس کا قرب اختیار کیا جاتا ہے۔

۸۔ حد لگانا

خمر پینے والے کو حد لگائی جائے گی چاہے وہ تھوڑی سی پئے اور اسے نشہ بھی نہ آئے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جو شخص خمر پئے اسے کوڑے لگاؤ' دوبارہ پئے تو کوڑے لگاؤ' پھر پئے تو کوڑے لگاؤ۔ اس کے بعد پھر پئے تو قتل کردو۔"

لیکن قتل کا حکم منسوخ ہو چکا ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا "کسی مومن کا قتل تین باتوں کے علاوہ جائز نہیں" اور ان تین باتوں میں شراب پینا شامل نہیں ہے لہذا جتنی بار بھی پئے کوڑے لگائے جائیں گے اور اسی پر اجماع صحابہ منعقد ہے۔

۹۔ خمر کو پکانا

جب خمر بن جائے تو اب اس کو پکانے سے حرمت ختم نہیں ہوگی کیونکہ نبیذ کو حرمت سے بچانے کے لئے پکایا جاتا ہے۔ حرام ہونے کے بعد اس

...و اٹھانے کے لئے نہیں۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ اس صورت میں جب تک ...ئے حد نہیں لگائی جائے گی کیونکہ قلیل خمر پر حد اسی صورت کے ساتھ ...ہے جب وہ کچا نبیذ ہو اور اسے پکا لیا گیا ہے۔

...خمر کو سرکہ بنانا

خمر کو سرکہ بنانے یعنی کسی چیز کو اس میں ڈال کر سرکہ بنایا جائے یا خود اس ...سرکہ بن جانے سے وہ حلال ہوگی البتہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا اس میں ...ف ہے۔ ان کے نزدیک اگر کسی چیز کو خمر میں ڈال کر سرکہ بنایا گیا تو وہ حلال ...ہوگا اور اگر کسی چیز کو ڈالے بغیر خود بخود سرکہ بن جائے تو اس میں امام شافعی ...اللہ علیہ کے دو قول ہیں۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ سرکہ ...نے میں خمر کا قرب اختیار کیا جاتا ہے حالانکہ اس سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے جو ...کے منافی ہے۔ احناف کی دلیل یہ ہے کہ سرکار دوعالم محمد مصطفےٰ صلی اللہ ...وآلہ وسلم نے سرکہ کو بہترین سالن قرار دیا نیز سرکہ بنانے سے خمر کا وصف ...زائل ہو جاتا ہے اور صفت صلاح پیدا ہو جاتی ہے اور اصلاح ایک جائز کام ...لہذا خود بخود سرکہ بننے اور چمڑے کی دباغت کی طرح سرکہ بنانا بھی جائز ہوگا۔ ...تک خمر کے قریب جانے کا تعلق ہے تو اس کا مقصد فساد کو ختم کرنا ہے لہذا ...اس طرح ہے جس طرح خمر کو بہا دیا جائے بلکہ یہ بہانے سے بہتر ہے کیونکہ اس ...صورت میں ایک حلال مال حاصل ہو جاتا ہے۔

...سیر العنب

اس سے مراد انگور کا وہ رس ہے جسے پکایا جائے اس کی تین صورتیں ہیں۔

... پکانے سے تہائی حصہ چلا جائے اسے باذق کہتے ہیں۔

... پکانے سے نصف چلا جائے اسے منصف کہتے ہیں۔

۳- پکانے سے دو تہائی چلا جائے۔

پہلی دو صورتوں میں جب اسے جوش آجائے اور سخت ہو جائے نیز جھاگ چھوڑ دے تو اس کا پینا حرام ہے۔ امام اوزاعی اور بعض معتزلہ کے نزدیک حلال ہے کیونکہ یہ ایک اچھا مشروب ہے اور خمر بھی نہیں ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اس سے ذہنی عیاشی پیدا ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس پر فاسق لوگ جمع ہوتے ہیں اور ذکر خداوندی میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے جو کہ فساد ہے چونکہ اس صورت میں حرمت حرمت خمر سے کم ہے لہٰذا اس کو حلال سمجھنے والا کافر نہیں قرار پائے گا جب تک نشہ نہ دے حد نہیں لگے گی۔ اس کی نجاست کے غلیظ اور خفیف ہونے میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا بیچنا جائز ہے اور اس کو ضائع کرنے والا ضامن ہو گا البتہ صاحبین کے نزدیک اس کا سودا ناجائز اور ضائع کرنے والا ضامن نہیں ہو گا۔ امام ابویوسف رحمتہ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب پکانے سے نصف سے زیادہ اور دو تہائی سے کم چلا جائے تو اس کا سودا جائز ہے۔

تیسری صورت میں اگرچہ سخت بھی ہو جائے امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہم اللہ کے نزدیک حلال ہے جبکہ مقصد طاقت وغیرہ حاصل کرنا ہو۔ امام مالک امام محمد' امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک حرام ہے اور اگر اس سے مقصد لہو ولعب ہو تو بالاتفاق حرام ہے۔ امام محمد اور مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کی دلیل یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہر نشہ آور چیز حرام ہے" نیز آپ نے فرمایا "جس کی زیادہ مقدار نشہ دے اس کا قلیل بھی حرام ہے" اور آپ نے فرمایا "جس چیز کا ایک گھڑا نشہ دے اس کا ایک گھونٹ بھی حرام ہے" علاوہ ازیں نشہ آور چیز عقل کو بگاڑتی ہے لہٰذا قلیل وکثیر حرام ہے۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

حرمت الخمر لعینها والسکر من کل شراب چونکہ عطف مغایرت کے لئے آتا ہے۔ لہٰذا خمر ذاتی طور پر حرام ہو گی اور دوسری شرابیں اس وقت حرام ہوں گی جب نشہ دیں۔ نیز جو چیز فساد پیدا کرتی ہے وہ نشہ دینے والا پیالا ہے وہ ہمارے نزدیک بھی حرام ہے۔ جہاں تک خمر کا تعلق ہے تو وہ اپنی رقت اور لطافت کی وجہ سے زیادہ پینے کی دعوت دیتی ہے۔ جبکہ باقی شرابوں میں یہ بات نہیں کیونکہ وہ دو تہائی چلے جانے کی وجہ سے سخت ہو جاتی ہے اس لئے وہ زیادہ پینے کی دعوت نہیں دیتی۔ جہاں تک دوسرے ائمہ کی طرف سے پیش کردہ پہلی حدیث کا تعلق ہے تو جیسا کہ پہلے بیان ہوا وہ حدیث ثابت نہیں ہے پھر اسے اس پیالے پر محمول کیا جائے گا کیونکہ وہی نشہ آور ہے۔ دوسری دو احادیث کا جواب شیخین کی پیش کردہ حدیث میں موجود ہے۔

نقیع التمر

کھجور کا کچا پانی یعنی پانی میں کھجوریں ڈال لی جائیں اور کھجور کے اثرات اس میں مل جائے یہاں تک کہ اسے جوش آئے اور جھاگ وغیرہ چھوڑ دے' سخت ہو جائے تو حرام مکروہ ہے۔

(نوٹ) سخت ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس میں نشہ دینے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ اس میں شریک بن عبداللہ کا اختلاف ہے وہ اس کو مباح قرار دیتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "کہ تم ان دونوں یعنی (کھجور اور انگور) کے پھلوں سے شراب بناتے ہو اور اچھا رزق چھوڑتے ہو۔"

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہاں احسان کا ذکر کیا ہے جبکہ حرام چیز کے ذریعے احسان نہیں کیا جاتا۔ ہماری دلیل صحابہ کرام کا اجماع اور وہ حدیث شریف ہیں جن میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "خمران دو درختوں سے

ہوتی ہے" انگور اور کھجور کے درخت کی طرف اشارہ فرمایا۔ آیت میں جو مذکور ہے یہ اس وقت کے ساتھ متعلق ہے جب تمام مشروبات حلال تھے یا آیت میں توبیخ کی گئی ہے کہ اس سے نشہ آور چیز بناتے ہو اور اچھے رزق کو چھوڑ دیتے ہو۔

نقیع الزبیب

کشمش کا کچا پانی جب جوش کھائے اور سخت ہو جائے تو اس کا پینا بھی حرام ہے۔ امام اوزاعی کا یہاں بھی اختلاف ہے۔

(نوٹ) ان دونوں کی حرمت کا منکر کافر قرار نہیں دیا جائے گا کیونکہ ان کی حرمت اجتہادی ہے۔ قطعی نہیں ہے۔ جب تک نشہ نہ آئے پینے والے کو حد نہیں لگائی جائے گی۔ نیز نجاست کونسی ہے اور اس کی خرید و فروخت ضائع کرنے والے پر ضمان کے سلسلے میں وہی حکم ہے جو **عصیر العنب** میں گزر چکے ہیں۔

دیگر نبیذ

شہد، انجیر، گندم، جوار اور جو کا نبیذ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ کے نزدیک حلال ہے اگرچہ اسے پکایا نہ جائے بشرطیکہ لہو و لعب کے لئے نہ ہو کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خمر کا حکم انگور اور کھجور کے پھلوں سے حاصل ہونے والے نبیذ پر لگایا ہے۔ اس نبیذ کے پینے والے کو حد لگانے کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک حد نہیں لگائی جائے گی کیونکہ ان نبیذوں سے جس آدمی کو نشہ آتا ہے وہ اسے سونے والے اور اس آدمی کی طرح قرار دیتے ہیں جس کی عقل بھنگ یا گھوڑی کے دودھ وغیرہ سے زائل ہو گئی ہو۔ لیکن اصح قول یہ ہے کہ اگر اس صورت میں نشہ آئے تو حد لگائی جائے گی۔ امام محمد رحمتہ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے کیونکہ آج کے دور میں خاص طور پر فاسق لوگ اس نبیذ پر اسی طرح اکٹھے ہوتے ہیں جس طرح باقی حرام مشروبات پر اکٹھے ہوتے ہیں۔

(نوٹ) گھوڑی کا دودھ جب گاڑھا ہو جائے یہاں تک کہ نشہ کی حد کو پہنچ جائے تو امام صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک وہ حرام ہے اور اس کے پینے والے کو حد لگانے کے سلسلے میں بھی یہی اختلاف ہے۔ امام صاحب دودھ کو اس کے گوشت پر قیاس کرتے ہیں لیکن اصح قول کے مطابق اس کا پینا جائز ہے کیونکہ گوشت کی کراہت اس لئے ہے کہ اس صورت میں جہاد کا ایک ذریعہ ختم ہو جاتا ہے۔

خلیطین کا حکم

دو پھلوں کا رس ملا کر پینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

کشمش

حضرت ابن زیادہ کو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کھجور اور انگور کا رس پلایا اور وہ پکایا ہوا تھا کیونکہ کشمش کا نقیع یعنی کچا پانی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک بھی حرام ہے۔

جہاں تک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا تعلق ہے کہ "کھجور اور کشمش کو جمع نہ کیا جائے" تو یہ اس دور کی بات ہے جب مسلمانوں کے ہاں کھانے پینے کی اشیاء کم تھیں اور حالات سخت تھے۔

خمر کا تلچھٹ

خمر کا تلچھٹ پینا یا کسی قسم کا بھی اس سے نفع اٹھانا حرام ہے۔ اس سے بالوں کو ٹھیک کرنا، کسی ذمی کو پلانا، دوائی کے طور پر بچے کو پلانا، جانوروں کو پلانا سب ناجائز ہے کیونکہ اس میں خمر کے اجزاء ہوتے ہیں۔

تلچھٹ پینے والے کو حد لگانے کے بارے میں اختلاف ہے ہمارے نزدیک اگر اسے نشہ آئے تو حد لگائی جائے گی ورنہ نہیں جبکہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک نشہ آئے یا نہ آئے اسے حد لگائی جائے گی کیونکہ اس نے خمر کی ایک جزء کو پیا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ خمر ناقص ہے کیونکہ اس کا قلیل، کثیر کی دعوت نہیں دیتا، طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے لہٰذا یہ دوسری شرابوں کی طرح ہے۔

(نوٹ) خمر کے ساتھ حقنہ کرنا۔ اسے شرم گاہ کے سوراخ میں ڈالنا، اس طرح اس کے ساتھ آٹا گوندھ کر روٹی پکا کے کھانا سب حرام ہے کیونکہ یہ حرام چیز سے نفع اٹھانا ہے۔

انگور کا نبیذ پکانا

پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ اگر انگور کے نبیذ کو پکایا جائے حتیٰ کہ ایک تہائی باقی رہ جائے تو وہ حلال ہوتا ہے اس سلسلے میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ جوش آنے کی وجہ سے جو جھاگ وغیرہ نکلے گی اسے غیر معتبر قرار دیتے ہوئے باقی میں سے تہائی کا اعتبار ہو گا مثلاً دس پیالے نبیذ پکایا جائے۔ ایک پیالہ جھاگ وغیرہ کی صورت میں نکل جائے تو باقی میں سے چھ پیالوں کا چلا جانا حلت کے لئے ضروری ہو گا۔

اگر انگور کے رس کو پکانے سے پہلے اس میں پانی ملایا جائے اور پھر اسے پکایا جائے تو اس کی دو صورتیں ہوں گی۔ یا تو پانی پہلے غائب ہو گا لہٰذا اب نبیذ کا دو تہائی جانا ضروری ہو گا۔

اور اگر دونوں اکٹھے جائیں تو کل یعنی نبیذ اور پانی کے مجموعہ کا دو تہائی جانا حلال ہونے کے لئے ضروری ہو گا۔ مثلاً دس پیالے نبیذ اور بیس پیالے پانی ہو۔ تو

پہلی صورت میں بیس پیالے پانی پہلے اڑ جائے گا باقی دس پیالوں میں سے چھ پیالے پورے اور ایک پیالے کا دو تہائی کا جانا اور تین پیالے پورے اور ایک کا ایک تہائی باقی رہنا ضروری ہو گا۔ گویا اس طرح پانی اور نبیذ کے مجموعے کا چھبیس پیالے پورے اور ایک پیالے کا دو تہائی جانا ضروری ہو گا اور اگر دونوں اکٹھے جائیں تو اب دس پیالوں کا باقی رہنا ضروری ہو گا۔

ایک بات مزید پیش نظر رہنی چاہئے کہ اگر نبیذ کو پکایا جائے اور یوں بعض حصہ چلا جائے پھر کچھ گرا دیا جائے تو باقی نبیذ میں سے دو تہائی کا جانا ضروری ہو گا۔ اس کو معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مثلاً کل دس پیالے تھے۔ پکانے سے ایک پیالہ چلا گیا پھر تین پیالے بہا دیئے گئے باقی چھ پیالے رہ گئے۔ کل نبیذ کے ایک تہائی یعنی ساڑھے تین کے ساتھ باقی نبیذ یعنی چھ ضرب دیں گے۔ اس طرح یہ اکیس ہو جائیں اور اس کے بعد جتنا نبیذ پکانے کے بعد گرانے سے پہلے بچا تھا یعنی نو پیالے ہیں کو اس پر تقسیم کریں گے۔ اس سے ہمیں دو پیالے پورے اور ایک پیالے کے نو حصوں میں سے دو حصے حاصل ہوں گے یعنی پونے دو پیالے باقی رہ جائیں تو وہ حلال ہے۔

(نوٹ) پکانے کے سلسلے میں حرام کی حد تک پہنچنے سے پہلے ایک ہی بار آگ سے اسے جوش آنا ضروری ہے چاہے جوش ایک بار آئے یا زیادہ بار آئے۔ اگر ایک مرتبہ اسے پکایا اور دو تہائی نہیں گیا پھر دوسری آگ پر پکانے سے دو تہائی گیا تو اس صورت میں حلال نہیں ہو گا۔

خمر اور نبیذ کا تعلق مندرجہ ذیل اشیاء سے ہے

انگور، کھجور، کشمش، گندم، جوار، شہد، انجیر۔ انگور کا نبیذ پکایا نہ جائے کچا ہو اور کھولنے کے بعد سخت ہو جائے اور جھاگ چھوڑ دے تو وہ خمر ہے۔ تھوڑا پیا

جائے یا زیادہ حرام ہے حد لگے گی۔ حلال سمجھنے والا کافر ہو گا۔ اس کی خرید و فروخت اور اس سے نفع لینا جائز نہیں البتہ اس کو سرکہ میں بدلا جا سکتا ہے۔

انگور کا نبیذ پکایا جائے یہاں تک کہ نصف یا دو تہائی سے کم چلا جائے تو بھی حرام ہے البتہ حد اس وقت لگے گی جب نشہ دے اس کی حرمت کا منکر کافر نہیں ہو گا۔

اگر اتنا پکایا جائے کہ ایک تہائی باقی رہ جائے تو اس کا پینا حلال ہے کھجور اور کشمش کا کچا پانی **نقیع التمر یا نقیع الزبیب** جب نشہ کی حد کو پہنچے اور جھاگ چھوڑے اس کا بھی وہی حکم ہے جو انگور کے پکے ہوئے نبیذ کا ہے۔ گندم، جوار وغیرہ کا نبیذ اگر لہو و لعب کے لئے ہو تو حرام ہے نشہ دے تو حد لگے گی۔ لیکن محض حصول طاقت کے لئے پیا جائے تو حلال ہے۔

گویا خمر، طلا (باذق، منصف) **نقیع التمر اور نقیع الزبیب** کے علاوہ نبیذ پکائے بغیر اور سخت ہونے کے باوجود محض حصول طاقت کے لئے ان کا پینا جائز ہے۔ البتہ لہو و لعب کے لئے حرام ہوں گے نیز نشہ کی مذمت کے لئے تو حد نافذ ہو گی۔

سوالات

۱- حرام مشروبات کتنے اور کون کون سے ہیں؟

۲- خمر کی تعریف کریں۔ اس کی وجہ تسمیہ میں اختلاف کی نوعیت واضح کریں اور بتائیں کہ یہ کتنی مقدار میں حرام ہے اور کس قدر خمر نوش کرنے پر حد ہوتی ہے؟

۳- خمر نجس ہے۔ بتایئے کونسی نجاست کے ساتھ نجس ہے، کیا یہ مال متقوم ہے؟ اور اس سے نفع حاصل کرنے کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

۴- خمر کو سرکہ بنانے کے سلسلے میں اختلاف ائمہ نقل کر کے فقہ حنفی کے مطابق حکم واضح کریں۔

۵- **باذق، منصف، نقیع التمر اور نقیع الزبیب** کی تعریف کر کے حکم واضح کریں (حرمت، نجاست، حد کا نفاذ وغیرہ امور کو پیش نظر رکھیں)

۶- **نبیذ العسل، نبیذ التین، نبیذ الحنطہ،** نبیذ الذرۃ اور نبیذ الشعیر میں سے ہر ایک کی تعریف کرتے ہوئے حکم واضح کریں۔ اگر ائمہ کے درمیان اختلاف ہو تو اسے بھی واضح کریں۔

۷- خلیطین سے کیا مراد ہے اور اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

۸- دردی الخمر کیا ہے اور اس کا حکم شرعی کیا ہے؟

۹- خمر سے حقنہ کرنا خمر سے گوندھے ہوئے آٹے کی روٹی کھانا وغیرہ کیسا ہے؟

۱۰- عصیر کو پکانے کے سلسلے میں نیز دو تہائی چلے جانے اور ایک تہائی باقی رہنے کے سلسلے میں مصنف علیہ الرحمۃ نے کچھ ضوابط تحریر کیے ہیں ان کی وضاحت کریں۔

۱۱- دور جاہلیت میں جن برتنوں میں شراب بنائی جاتی تھی ان کے نام مع وضاحت لکھیں اور اب ان کا شرعی حکم کیا ہے۔ واضح کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رہن کا بیان

رہن کا لغوی اور اصطلاحی معنی

لغت میں رہن کسی چیز کو روکنے کے معنی میں آتا ہے۔ اس کا سبب کوئی بھی ہو اور شریعت کی اصطلاح میں کسی چیز کو ایسے حق کے عوض روک رکھنا اس مرہون چیز کی وجہ سے اس کا حصول ممکن ہو جائے۔ جیسے قرض

ثبوت رہن

رہن قرآن پاک اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے اور اس پر اجماع ہے۔ قرآن پاک میں ہے **فرھٰن مقبوضۃ** (رہان، رہن کی جمع ہے) حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک یہودی سے غلہ خریدا اور قیمت کی ادائیگی کے لئے زرہ رہن رکھی۔ پھر یہ اس وجہ سے بھی جائز ہے کہ یہ عقد وثیقہ ہے کہ اس کے ذریعے قرض کی وصولی مؤکد ہو جاتی ہے۔

انعقاد رہن

ایجاب و قبول سے رہن کا انعقاد ہو جاتا ہے اور قبضہ کرنے سے یہ عقد تام

ہو جاتا ہے۔ بعض مشائخ کے نزدیک صرف ایجاب رکن ہے کیونکہ یہ ایک عقد تبرع ہے تو ہبہ اور صدقہ کی طرح صرف ایجاب سے مکمل ہو جاتا ہے اور قبضہ لزوم کے لئے شرط ہے۔ امام مالک علیہ رحمتہ کے نزدیک صرف عقد سے رہن لازم ہو جاتی ہے کیونکہ یہ دونوں طرف سے مال ہوتا ہے لہٰذا یہ بیع کی طرح ہے۔

احناف کی طرف سے جواب یہ ہے کہ قرآن پاک نے قبضہ کی شرط رکھی ہے اگر رہان کو مصدر قرار دیا جائے تو صرف فاء سے ملکر محل جزاء میں ہو گا اور اس سے مراد امر ہے یعنی قبضہ کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر قبضہ کے لئے صرف تخلیہ کافی ہے کیونکہ یہ عقد مشروع ہونے کی وجہ سے قبضہ ہے۔ امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اشیاء منقولہ میں قبضہ، منتقل کرنے سے ہو گا لیکن پہلا قول صحیح ہے۔

راہن کا اختیار

جب تک مرہون چیز پر قبضہ نہ کیا جائے راہن کو رجوع کرنے اور سونپ دینے کا اختیار ہوتا ہے کیونکہ جب تک قبضہ نہ ہو رہن کا لزوم نہیں ہوتا۔

مرہون قابل ضمان ہے یا امانت ہے

جب راہن مرہون چیز کو مرتہن کے قبضہ میں دے دے تو احناف کے نزدیک یہ اس کی ضمان میں ہو گی۔ جبکہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک وہ اس کے پاس امانت ہے لہٰذا اس کی ہلاکت سے قرض ساقط نہیں ہو گا۔ ان کی دلیل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ آپ نے تین بار فرمایا

لایغلق الرھن لصاحبہ غنمہ و علیہ غرمہ

وہ فرماتے ہیں کہ **لایغلق** کا معنی یہ ہے کہ وہ قرض کے بدلے میں مضمون نہیں ہو گی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ قرض کا وثیقہ ہے لہٰذا اس کی

ہلاکت سے دین ساقط نہیں ہو گا۔ جس طرح رسید ضائع ہو جائے تو قرض ساقط نہیں ہوتا۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ ایک مرتہن کے پاس رہن رکھا ہوا گھوڑا ہلاک ہو گیا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تیرا حق چلا گیا۔ (یعنی قرض ساقط ہو گیا)

نیز آپ کے ایک ارشاد گرامی کے مطابق مرہون کے ہلاک ہونے کے بعد اس کی قیمت مشتبہ ہو جائے تو وہ قرض کے بدلے میں ہو جائے گا۔ صحابہ کرام اور تابعین کا بھی اس بات پر اجماع ہے کہ رہن قابل ضمان ہے۔ اگرچہ اس کی کیفیت میں ان کا اختلاف ہے۔

جہاں تک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی کا تعلق ہے۔ **لایغلق الرھن** تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے مرتہن کے پاس نہیں رہے گا اور نہ ہی اس کا مملوک ہو جائے گا۔ امام کرخی علیہ الرحمتہ نے اسلاف سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

نیز مرتہن کو یہ استیفاء حاصل ہے یعنی وہ اس مال کو اس لئے روکتا ہے کہ اس کا قرض انکار سے محفوظ ہو جائے۔ اب مال مرہون کے ہلاک ہونے سے اسے قرض حاصل ہو گیا۔ لہٰذا اسے قرض کا مطالبہ کرنا سود کی طرف لے جائے گا۔ البتہ مرہون قائم ہو تو قرض کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ کیونکہ استیفاء نہیں ہوا اس لئے کہ وہ مال مرہون راہن کو واپس لوٹائے گا۔

مرہون کی ضمان کیا ہو گی

اگر مال مرہون مرتہن کے پاس ہلاک ہو جائے تو اس کی قیمت اور قرض میں سے جس کی مالیت کم ہو گی اس کے ساتھ ضمان ہو گی۔ اگر اس کی قیمت قرض

کے برابر ہے تو گویا قرض کی وصولی ہو گی اگر رہن کی قیمت زیادہ ہو تو باقی رقم مرتہن کے پاس امانت ہو گی اگر کم ہو تو قرض میں سے رہن کے برابر رقم ساقط ہو جائے گی اور باقی رقم مرتہن، راہن سے وصول کرے گا۔

امام زفر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رہن اپنی قیمت میں مضمون ہو گی۔ مثلاً رہن ہلاک ہو جائے اور رہن رکھنے کے دن اس کی قیمت ڈیڑھ ہزار ہو اور قرض ایک ہزار ہو تو راہن مرتہن سے پانچ سو روپے لے گا۔ ان کی دلیل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں دونوں حضرات رہن میں زائد کو واپس لوٹائیں۔ نیز قرض سے زائد بھی مرہون ہے کیونکہ وہ اس کی وجہ سے محبوس ہے۔

ہماری دلیل حضرت عمر فاروق اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس مرتہن کے بارے میں جس سے مال مرہون ضائع ہو جائے فرمایا۔ **ان كان اقل مما فيه رد عليه تمام حقه وان كان اكثر فهو امين**

گویا امام زفر رضی اللہ عنہ کے نزدیک قرض ہے۔ زائد رقم مرتہن کے پاس مرہون ہی ہے۔ مضمون ہے جبکہ دیگر ائمہ کے نزدیک وہ امانت ہے۔

مرتہن کا مطالبہ دین

باوجود رہن رکھنے کے مرتہن راہن سے قرض کا فوری مطالبہ کر سکتا ہے کیونکہ اس کا حق باقی ہے اور رہن تو حفاظت کے اضافہ کے لئے ہے لہٰذا اس کی وجہ سے مطالبہ ممتنع نہیں ہو گا اور اگر وہ قرض ادا نہ کرے تو قاضی اسے قید کر سکتا ہے کیونکہ اس کا تاخیر کرنا ظلم ہے۔

مرتہن کو قرض کے مطالبہ کے وقت مرہون مال حاضر کرنا ہو گا اور جب یہ

حاضر کرے گا تو راہن کو حکم دیا جائے گا کہ وہ قرض کی ادائیگی پہلے کرے کیونکہ مرہون کو حاضر کرنے کی وجہ سے راہن کا حق متعین ہو گیا اور قرض کی ادائیگی سے مرتہن کے حق کا تعین ہو جائے گا اس طرح برابری ہو جائے گی جیسے مبیع کو حاضر کرنے کے بعد ثمن پہلے دینا ہوتے ہیں تب دونوں کے درمیان برابری قائم ہوتی ہے۔

کیا راہن مرہون کا سودا کر سکتا ہے؟

جب تک مرہون مرتہن کے پاس رہے راہن اس کا سودا نہیں کر سکتا جب تک قرض ادا نہ کرے کیونکہ مرہون مال ادائیگی قرض تک حبس دائم کے حکم میں ہے اس طرح اگر بعض دین ادا کر دیا تب بھی روکنے کا حق ہے یہاں تک کہ وہ پورا دین ادا کرے۔

مرہون کی حفاظت

مرتہن خود بھی مرہون کی حفاظت کر سکتا ہے۔ اس کی بیوی بچے اور غلام بھی اس کی خدمت پر مامور ہو سکتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ وہ بچے حفاظت کر سکتے ہیں جو اس کی پرورش میں ہوں۔ اگر ان لوگوں کے علاوہ کسی کی حفاظت میں دے تو وہ شخص (مودع) ضامن ہو گا۔ اگر اس نے کسی اور کے پاس بطور امانت رکھا اور ضائع ہو گیا تو کیا وہ (مودع ثانی) بھی ضامن ہو گا تو اس میں اختلاف ہے۔

امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک ضمان نہیں ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک پہلے مودع کی طرح اس پر بھی ضمان ہے اگر مرتہن قصداً" مرہون کو ظلم و زیادتی کے ساتھ ہلاک کرے تو غاصب کی طرح کل قیمت کا ضامن ہو گا۔ کیونکہ دین سے زائد رقم امانت تھی اور امانتوں میں نقدی ضمان کا باعث ہے۔

اجرت مکان اور نفقہ مرہون

جس گھر میں مرہون کی حفاظت کی جا رہی ہے اسی طرح جو اس کا محافظ ہے دونوں کی اجرت مرتہن کے ذمہ ہے جبکہ مرہون کا نفقہ اور چرواہے کی اجرت راہن کے ذمہ ہے اس میں ضابطہ یہ ہے کہ مرہون کی بھلائی کے لئے جس چیز کی ضرورت ہے وہ راہن پر ہے چاہے مرہون میں دین سے قرض اضافہ ہو یا نہ کیونکہ یہ چیز راہن کی ملکیت ہے اسی طرح اس کے منافع بھی اسی کی ملک ہیں۔ اس میں مرہون کا کھانا' پینا' غلام ہے تو اس کے کپڑے وغیرہ' مرہون کے بچہ کو دودھ پلانے والی عورت کی اجرت' باغ کو پانی دینا وغیرہ چیزیں راہن کے ذمہ ہیں۔ چرواہے کی اجرت بھی اسی کے ذمہ ہے کیونکہ وہ چارے کے حکم میں ہے۔

اور جو کچھ مرہون کی حفاظت کے متعلق ہے یا راہن کی طرف سے لوٹانے سے اس چیز کا تعلق ہے تو وہ مرتہن کے ذمہ ہے۔ امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک مرہون کی رہائش کا کرایہ نفقہ کی طرح ہے لہٰذا راہن پر واجب ہے۔ مرہون کے زخم کا علاج یا بیماری کا علاج نیز اس کی جنایت کا فدیہ وغیرہ کو ضمان اور امانت پر تقسیم کیا جائے گا یعنی قرض کے برابر رقم مضمون ہے باقی امانت ہے لہٰذا مضمون کے حساب سے خرچ مرتہن پر ہو گا اور امانت کے حساب سے راہن پر ہو گا۔ رہن کا خراج مکمل طور پر راہن کے ذمہ ہو گا کیونکہ وہ ملک کے اخراجات میں سے ہے۔

کون سی چیز رہن رکھی جا سکتی ہے

جو چیز قابل تقسیم ہو اور تقسیم نہ ہوتی ہو اسے رہن نہیں رکھا جا سکتا۔ یہ احناف کا مسلک ہے جبکہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے۔

احناف نے اس کی دو وجھیں بیان کی ہیں ایک کی بنیاد رہن کا حکم ہے

اس سلسلے میں ہمارا امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے اختلاف ہے۔

ہمارے نزدیک رہن کا حکم پر استیفاء ہے یعنی یہ قبضہ قرض کی واپسی کا ضامن ہے اور یہ حکم اس چیز میں نافذ نہیں ہو سکتا جو غیر متعین ہو کیونکہ مرتہن نے مرہون پر قبضہ کرنا ہوتا ہے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک غیر منقسم چیز کو رہن رکھا جاسکتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک رہن کا حکم یہ ہے کہ وہ چیز فروخت ہو سکتی ہے اور یہ بھی فروخت ہو سکتی ہے۔

ہمارے نزدیک دوسری وجہ یہ ہے کہ رہن میں حبس دائم ہوتا ہے یعنی قرض کی واپسی تک مرہون چیز مرتہن کے پاس رہتی ہے کیونکہ نص قرآنی (فرہان مقبوضۃ) کے پیش نظر یا مقصود یعنی عقد وثیقہ پر نظر کرتے ہوئے حبس دائم ضروری ہے اور غیر منقسم چیز میں حبس دائم نہیں ہو سکتا کیونکہ اس طرح مہایاۃ ضروری ہو گی۔ یعنی ایک دن راہن اس چیز سے نفع اٹھائے گا کیونکہ وہ مالک ہے اور دوسرے دن مرتہن اس کی حفاظت کرے گا۔ لہٰذا درخت کے بغیر پھلوں' زمین کے بغیر کھیتی اور زمین پر موجود درختوں کو زمین کے بغیر رہن نہیں رکھا جاسکتا۔ اسی طرح درختوں والی زمین درختوں کے بغیر یا کھیتی کے بغیر' نیز پھلدار درختوں کو پھلوں کے بغیر رہن رکھنا جائز نہیں اگر زمین پر موجود درختوں کو زمین کے ساتھ ہی رہن رکھا جائے تو جائز ہے۔ اگر ان پر پھل ہیں تو وہ بھی رہن میں داخل ہوں گے۔

اسی طرح زمین رہن رکھی تو اس پر موجود عمارت' درخت وغیرہ شامل ہوں گے۔ مکان اس طرح رہن رکھنا کہ جو کچھ اس میں ہے اس کے ساتھ یہ مرہون ہے یہ جائز ہے۔

کس چیز کے بدلے رہن رکھنا جائز نہیں

جس چیز کا استیفاء نہ ہو سکے اسے رہن رکھنا صحیح نہیں مثلاً آزاد آدمی' مدبر' مکاتب اور ام ولد رہن نہیں رکھ سکتے۔ اس سلسلے میں ضابطہ یہ ہے کہ جو چیز قابل ضمان ہے اس کے بدلے میں رہن رکھنا جائز ہے اور جو چیز قابل ضمان نہیں ہے اس کے بدلے میں رہن رکھنا جائز نہیں کیونکہ رہن پر قبضہ قبض مضمون ہے یعنی مرہون قابل ضمان ہے لہٰذا یہ ایسی چیز کے لئے ہونا چاہئے جو قابل ضمان ہو۔

بنابریں امانتوں' ودائع' عواری (ادھار مانگی ہوئی چیز) مضاربات اور مال شرکت کی وصولی کے لئے کوئی چیز رہن نہیں رکھی جاسکتی۔ لیکن جو اشیاء مثل صوری یا مثل معنوی کے ساتھ مضمون ہیں ان کے حصول کے لئے رہن رکھنا جائز ہے۔ مثلاً مال مغصوب' بدل خلع' بدل مہر' بدل صلح عن دم العمد اسی طرح بیع سلم کے راس المال' بیع صرف کے ثمن اور مسلم فیہ کے بدلے میں بھی کوئی چیز رہن رکھی جاسکتی ہے کیونکہ یہ بھی مال مضمون ہے۔

رہن بالدرک اور کفالہ بالدرک

رہن بالدرک کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کا سودا کرے اور مشتری کے حوالے کردے پھر مشتری کو یہ ڈر ہو کہ کہیں کوئی اس کا مستحق نہ نکل آئے چنانچہ وہ اس خطرے کے پیش نظر بائع سے کوئی چیز رہن رکھے تو یہ رہن بالدرک ہے اور یہ باطل ہے کیونکہ جس چیز کے بدلے وہ کوئی چیز بطور رہن حاصل کر رہا ہے اس کا (مستحق کے استحقاق کا) کوئی وجود ہی نہیں اور کفالہ بالدرک کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کفیل' مشتری سے کہے کہ اگر اس چیز کا کوئی مستحق نکل آئے تو میں ضامن ہوں یہ کفالہ جائز ہے اور اس پر اجماع ہے۔

ایفاء و استیفاء کی شرط

جس چیز کو رہن رکھا جائے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ مرتہن کے حوالے کی جاسکے اور مرتہن اسے وصول بھی کرسکے یعنی ایفاء و استیفاء دونوں ممکن ہوں۔ لہٰذا آزاد مدبر، مکاتب، ام ولد، عبد جانی، عبد مدیون ماذون، نوحہ کرنے والی کی اجرت، مغنیہ کی اجرت، مسلمان کے لئے شراب وغیرہ کا رہن رکھنا یا بطور رہن حاصل کرنا جائز نہیں کیونکہ مسلمان کے حق میں ایفاء و استیفاء متعذر ہے۔

باپ قرض کے بدلے اپنے چھوٹے بیٹے کا غلام رہن رکھ سکتا ہے۔ کیونکہ وہ اسے سونپنے کا اختیار رکھتا ہے اگر یہ غلام مرتہن کے پاس ہلاک ہو جائے تو اس کو قرض کی وصولی ہو گئی البتہ باپ اپنے بیٹے کے ہاں تاوان بھرے گا۔ رہن میں درہم، دینار، کیلی اور وزنی اشیاء، رکھی جاسکتی ہیں کیونکہ استیفاء ممکن ہے۔

مرہون کی واپسی

جب قرض کی ادائیگی ہو جائے تو مال مرہون واپس کرنا ہوگا۔ اگر کسی نے دو غلام رہن رکھے ہوں اور قرض ایک ہزار روپے ہو تو جب تک کل رقم واپس نہ دے کسی ایک غلام کو واپس نہیں لے سکتا مثلاً پانچ سو درہم دے دیئے تو ایک غلام کی واپسی نہیں ہو سکتی کیونکہ دونوں غلام مکمل رقم کے بدلے قبضہ میں ہیں۔

دو قرض خواہوں کے پاس ایک ہی چیز رہن رکھنا

اگر کوئی شخص دو آدمیوں کا مقروض ہو اور ان میں سے ہر ایک کے قرض کے بدلے ایک ہی چیز دونوں کے پاس رکھے تو ایسا کرنا جائز ہے اور وہ چیز مکمل طور پر دونوں کے پاس مرہون ہوگی اور ان میں سے ہر ایک پر اس کے حصہ قرض کے مطابق ضمان ہوگی۔ اگر ان میں سے ایک اپنا قرض وصول کرے تو یہ چیز مکمل طور

دوسرے کے پاس رہن ہوگی۔ اسی طرح اگر دو آدمی ایک شخص کے مقروض ہوں اور وہ دونوں ایک مشترکہ چیز اس کے پاس رہن رکھیں تو جب تک مرتہن دونوں سے قرض وصول نہ کرے اس چیز کو اپنے پاس روک سکتا ہے کیونکہ ہر ایک طرف سے مرہون پر قبضہ تقسیم کے بغیر ہے۔ اگر راہن مرجائے اور وہ چیز مثلاً غلام ان دونوں قرض خواہوں کے پاس ہو اور ہر ایک گواہی پیش کردے کہ وہ اس کے پاس رہن رکھا گیا تو ہر ایک کے پاس نصف غلام رہن قرار دیا جائے گا اور اسے اس کے حق میں فروخت کیا جائے گا۔

مال مرہون کسی عادل کے پاس رکھنا

اگر راہن اور مرتہن کے باہمی اتفاق سے مال مرہون کو کسی تیسرے آدمی کے پاس رکھ دیا جائے جو عادل ہو تو احناف کے نزدیک جائز ہے جبکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسا کرنا صحیح نہیں امام مالک فرماتے ہیں کہ اس شخص کا قبضہ، مالک کا ہی قبضہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اس کا مستحق نکل آئے تو وہ راہن کی طرف ہی رجوع کرتا ہے حالانکہ یہ قبضہ مرتہن کا ہو تو رہن صحیح قرار پائے گا۔

احناف فرماتے ہیں کہ اس چیز کا عین بطور امانت تیسرے آدمی کے پاس امانت ہے اور اس کا قبضہ بطور حفظ ہے۔ جبکہ مالیت کے اعتبار سے یہ قبضہ، مرتہن کا قبضہ کہلاتا ہے کیونکہ یہ قبضہ قبضہ ضمان ہے اور جو چیز قابل ضمان ہو وہ مالیت ہے لہٰذا یہ شخص دو شخصوں کے قائم مقام ہوگا جہاں تک استحقاق کی صورت میں مالک کی طرف رجوع کرنے کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس چیز کے عین کی حفاظت کے حوالے سے مودع کہلاتا ہے۔

ثالث مال مرہون، راہن یا مرتہن دونوں میں سے کسی کے حوالے نہیں کر سکتا اور نہ وہ اس سے لے سکتے ہیں کیونکہ حفظ و امانت کے اعتبار سے راہن کا حق

متعلق ہے اور استیفاء کے اعتبار سے مرتہن کا حق اس سے متعلق ہے لہٰذا دونوں میں کوئی ایک بھی دوسرے کے حق کو باطل کرنے کا مالک نہیں اور اگر وہ مال ثالث کے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے تو مرتہن کی ضمان میں ہلاک ہو گا کیونکہ مالیت کے اعتبار سے یہ مرتہن کا قبضہ شمار ہوتا ہے اور اگر ثالث راہن یا مرتہن میں سے کسی ایک کے حوالے کرے گا تو ضامن ہو گا کیونکہ وہ عین مرہون کے حق میں راہن کا امانتدار ہے اور مالیت کے حق میں مرتہن کا امین ہے۔

مرہون کو فروخت کرنے کے لئے وکالت

اگر قرض کی ادائیگی کے بعد راہن' مرتہن یا ثالث یا کسی اور آدمی کو مرہون کی فروخت کے لئے وکیل بنائے تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ اپنے مال کو بیچنے کے لئے وکیل بناتا ہے اور اگر عقد رہن میں یہ شرط رکھی جائے تو اب راہن کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ وکیل کو معزول کرے کیونکہ شرط کی وجہ سے یہ رہن کے اوصاف اور حقوق میں سے ہو گا۔ اگر مطلق بیع کا وکیل بنائے پھر نقد کی قید لگائے تو یہ قید صحیح نہیں ہو گی کیونکہ وکیل (مرتہن' یا ثالث یا کوئی دوسرا شخص) کو ہر طرح بیچنے کا اختیار حاصل ہو گا۔ اسی طرح مرتہن کے معزول کرنے سے بھی معزول نہیں ہو گا کیونکہ اس نے تو اسے وکیل نہیں بنایا یونہی راہن کے مرجانے سے بھی معزول نہیں ہو گا کیونکہ اس کے مرنے سے جب رہن باطل نہیں ہوتی تو اس کا وصف بھی باطل نہیں ہوتا۔

سوالات

۱۔ رہن کا لغوی و اصطلاحی معنیٰ بیان کریں نیز قرآن و سنت سے اس کی مشروعیت واضح کریں' انعقاد و تمام رہن کی وضاحت کریں۔

۲۔ قبضہ کے بعد مال مرہون مضمون ہوتا ہے یا امانت اختلاف ائمہ کی وضاحت مع دلائل کریں؟

۳۔ مرتہن کے ہاتھ میں مال مرہون ہلاک ہو جائے تو ضمان کی کیا صورت ہو گی نیز قرض کی ادائیگی پر مال مرہون کی واپسی کی کیا کیا صورتیں ہیں؟

۴۔ مرتہن' رہن کی حفاظت خود کرے گا یا کسی دوسرے شخص کی حفاظت میں بھی دے سکتا ہے وضاحت سے تحریر کریں نیز جس گھر میں حفاظت کی جائے یا جس شخص کی حفاظت میں دیا جائے اس کی اجرت کس کے ذمہ ہو گی؟

۵۔ کون کون سی اشیاء رہن رکھی جاسکتی ہیں اور کن اشیاء کو رہن رکھنا جائز نہیں وضاحت سے تحریر کریں نیز **والرهن بالارث باطل و الكفالة بالارث جائز** کی تشریح کریں۔

۶۔ ایک شخص دو آدمیوں کا مقروض ہو اور وہ کوئی عین چیز دونوں کے پاس رہن رکھے تو اس کے کیا احکام ہوں گے؟

۷۔ اگر رہن کسی تیسرے عادل آدمی کے پاس رکھا جائے تو اس کی واپسی یا ضمان وغیرہ سے متعلق مسائل کی وضاحت کریں۔

۸۔ اگر عبد مرہون مرتہن کے پاس مرجائے پھر اس کا کوئی مستحق نکل آئے تو ضمان کی صورت کیا ہو گی؟

۹۔ راہن مال مرہون میں تصرف کر سکتا ہے یا نہیں اس طرح مرتہن کے لئے اس میں تصرف کا کیا حکم ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جنایات کا بیان

جنایت کا لغوی اور اصطلاحی معنی

جنایت لغوی اعتبار سے اس برائی کو کہتے ہیں جس کا اکتساب کیا جاتا ہے اور شرعی اعتبار سے ایسا عمل جو شرعاً حرام ہو' چاہے اس کا تعلق نفوس کے ساتھ ہو یا اعضاء کے ساتھ۔ پہلے کو قتل اور دوسرے کو قطع یا جرح (زخم) کہتے ہیں۔

قتل کی اقسام : قتل کی پانچ قسمیں ہیں۔

۱۔ قتل عمد

۲۔ شبہ عمد

۳۔ قتل خطاء

۴۔ قتل قائمقام خطاء

۵۔ قتل بالسبب

قتل عمد

قتل عمد وہ قتل ہے جو جان بوجھ کر کسی ہتھیار یا ایسی چیز سے کیا جائے جو ہتھیار کی طرح ہو مثلاً لکڑی' بانس کا چھلکا اور پتھر جن کی دھار ہو' اسی طرح آگ میں جلادینا

حکم : قتل عمد کے تین حکم ہیں۔

۱۔ گناہ

۲۔ قصاص

۳۔ وراثت سے محرومی

یہ دونوں باتیں قرآن مجید اور احادیث کریمہ نیز اجماع امت سے ثابت ہیں۔ گناہ کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے۔

ومن یقتل مؤمنا" متعمدا" فجزاءہ جھنم قصاص کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے **کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ** یہاں اگرچہ "قتلیٰ" مطلق ہے۔ لیکن حدیث "العمد قود" (قتل عمد کا موجب قصاص ہے) العمد قود کے ذریعے قصاص کو قتل عمد سے مقید کیا گیا۔ نیز چونکہ قصاص انتہائی سزا ہے اور جنایت عمد کے ساتھ کامل ہوتی ہے لہٰذا اس سے کم درجے کے قتل پر قصاص نہیں ہوگا۔

مصالحت

قتل عمد کی سزا یعنی قصاص واجب عین ہے۔ یہ احناف کا مسلک ہے البتہ قاتل کی رضامندی سے دیت لی جا سکتی ہے۔ نیز کچھ لئے بغیر بھی معاف کیا جاسکتا ہے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے دو قول ہیں۔

۱۔ ابتدائی طور پر تو قصاص ہی واجب ہے لیکن اگر مال لے کر قصاص کو ترک کرنا چاہیں تو قاتل کی مرضی کے بغیر بھی ایسا کر سکتے ہیں کیونکہ یہ مال ہلاکت قاتل کو دور کرتا ہے لہٰذا اس کی مرضی شرط نہیں ہے۔

۲۔ ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ قصاص یا دیت دونوں میں سے ایک غیر معین طور پر واجب ہے۔ مقتول کے ورثاء جسے چاہیں اختیار کریں کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک جبر نقصان کر سکتا ہے۔

احناف کی دلیل

قرآن پاک اور حدیث شریف میں قتل عمد کی سزا ابتدائی طور پر قصاص مقرر کی گئی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے **کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ** چونکہ قتل خطاء کے لئے قرآن پاک نے دیت کا ذکر کیا ہے لہٰذا قتل عمد کے لئے قصاص متعین ہو گیا۔ حدیث شریف میں بھی "العمد قود" فرمایا گیا جس سے واضح ہوا کہ قتل عمد کی سزا قصاص ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر اس کی سزا مال سے واجب کی جائے تو برابری نہیں پائی جائے گی جبکہ قصاص میں اس کی صلاحیت پائی جاتی ہے کیونکہ انسان کے بدلے میں انسان کے قتل ہونے سے جبر نقصان ہو جائے گا اور آئندہ کے لئے دوسرے لوگوں کے اس عمل سے رک جانے سے زجر کی حکمت بھی حاصل ہو جائے گی۔

احناف کے نزدیک قصاص کی جگہ مال لینے کے لئے قاتل کی مرضی ضروری ہے کیونکہ ہو سکتا ہے مقتول کے ورثاء مال حاصل کرنے کے بعد بھی اسے ہلاک کر دیں لہٰذا مال کا ہلاکت کو دور کرنے کے لئے متعین ہونا یقینی بات نہیں ہے۔

اس سلسلے میں ہمارا اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک اور اختلاف بھی

ہے وہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک ایک قتل عمد میں کفارہ بھی ہوتا ہے جبکہ ہمارے نزدیک کفارہ نہیں ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب قتل خطاء میں کفارہ ہے تو قتل عمد میں اس کی زیادہ حاجت ہے۔ احناف کی طرف سے یہ جواب دیا جاتا ہے کہ قتل کبیرہ گناہ ہے اور کفارے میں عبادت کا معنی پایا جاتا ہے لہٰذا اس میں کفارہ نہیں آئے گا دوسری بات یہ ہے کہ کفارہ مقادیر شرعیہ میں سے ہے اور ادنیٰ کو دور کرنے کے لئے اس کا تعین اعلیٰ کو دور کرنے کے لئے معین نہیں ہو گا۔

قتل عمد کا ایک اور حکم یہ ہے کہ قاتل، مقتول کی وراثت سے محروم ہو جاتا ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا **لامیراث للقاتل** قاتل کے لئے میراث نہیں ہے۔

قتل شبہ عمد

اس قتل کی تعریف میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک کسی شخص کو جان بوجھ کر ایسی چیز سے مارنا جو نہ ہتھیار ہے اور نہ اس کے قائم مقام۔ **صاحبین** اور امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک شبہ عمد یہ ہے کہ قصداً ایسی چیز سے مارے جس سے عام طور پر قتل نہیں کیا جاتا۔ بڑی لکڑی یا بڑے پتھر کے ساتھ مارنے کو وہ قتل عمد میں شمار کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی دلیل یہ ہے کہ ایسا چھوٹا آلہ استعمال کرنا جس سے عام طور پر قتل نہیں کیا جاتا بلکہ اس سے تادیب وغیرہ کا کام لیا جاتا ہے۔ عمدیت کے معنی کو کم کر دیتا ہے لہٰذا یہ شبہ عمد ہو گا۔ لیکن جس آلہ کے استعمال سے آدمی فوری طور پر مر جاتا ہے مثلاً بڑی لکڑی یا بڑا پتھر وغیرہ تو وہ تلوار کی طرح ہو گا لہٰذا ایسے قتل کو قتل عمد کہیں گے۔

امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی دلیل سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا

ارشاد ہے۔ "سنو! خطاء عمد (شبہ عمد) کا مقتول کوڑے اور لاٹھی کا مقتول ہے اور اس میں ایک سو اونٹ (دیت) ہے۔" دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ آلہ قتل کے لئے نہیں بنایا گیا اور نہ ہی اس میں مستعمل ہے کیونکہ جس آدمی کو قتل کرنا مقصود ہو اس کی غفلت میں اسے استعمال نہیں کر سکتے حالانکہ عام طور پر قتل حالت غفلت میں ہی ہوتا ہے لہٰذا اس آلہ کو سامنے رکھتے ہوئے قصد میں کمی پائی گئی۔ پس یہ شبہ عمد ہو گا۔

حکم : شبہ عمد کی صورت میں چار باتیں لازم آتی ہیں۔ گناہ، کفارہ، دیت مغلظہ، وراثت سے محرومی۔

ارادے کی وجہ سے گنہگار ہو گا۔ قتل خطاء سے مشابہت کی وجہ سے کفارہ لازم ہو گا اور چونکہ قصاص واجب نہیں ہو رہا لہٰذا دیت بھی واجب ہوگی۔ اور یہ دیت عاقلہ پر ہو گی کیونکہ ضابطہ یہ ہے کہ جو دیت ابتداء" واجب ہو وہ عاقلہ پر ہوتی ہے جیسا کہ قتل خطاء میں ہے۔

قتل خطاء

قتل خطاء کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ ارادے میں خطاء ہو جائے کہ کسی جسم کو شکار خیال کیا اور وہ آدمی تھا یا حربی خیال کیا اور وہ مسلمان تھا۔

۲۔ فعل میں خطاء ہو۔ مثلاً کسی نشانے پر تیر پھینکنا چاہتا ہو اور وہ کسی آدمی کو لگ جائے یہ فعل میں خطاء ہے۔

حکم : اس قتل کی صورت میں تین باتیں لازم ہوتی ہیں۔ کفارہ، عاقلہ پر دیت، وراثت سے محرومی۔

کفارے اور دیت کا ذکر قرآن پاک کی اس آیت کریمہ میں ہے ومن قتل مؤمنا خطاء فتحریر رقبة مؤمنة ودیة مسلمة الی اهله

اور چونکہ یہ ایک قتل ہے لہٰذا حدیث کی رو سے وراثت سے محروم ہو گا جہاں تک گناہ کا تعلق ہے تو قتل کا گناہ نہیں ہو گا۔ کیونکہ ارادہ نہیں پایا گیا لیکن بے احتیاطی کی وجہ سے گنہگار ہو گا۔

(نوٹ) اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے جسم کے خاص حصے پر ضرب لگانا چاہتا ہو اور غلطی سے کسی دوسرے حصے پر لگ جائے اور وہ مر جائے تو اس صورت میں قصاص ہو گا کیونکہ یہاں قصد پایا گیا اگرچہ وہ جسم کے ایک حصے کے لئے تھا اس لئے کہ پورا جسم ایک محل کی مانند قرار پاتا ہے۔

قتل قائمقام خطاء

اس قتل کی صورت یہ ہے کہ مثلاً کوئی سونے والا پہلو بدلتے ہوئے دوسرے پر چڑھ جائے جس کی وجہ سے وہ مر جائے۔ اس کا حکم وہی ہے جو قتل خطاء کا ہے۔

قتل بالسبب

اس قتل کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کی ملک میں کنواں کھودے یا پتھر رکھ دے اب کوئی آدمی اس میں گر کر یا پتھر سے ٹکرا کر مر جائے تو کنواں کھودنے والا قاتل قرار پائے گا اور یہ قتل بالسبب ہو گا۔

حکم : اس صورت میں اس کے عاقلہ پر دیت واجب ہو گی اور بس کفارہ بھی نہیں ہو گا کیونکہ وہ گنہگار نہیں ہوا اور وراثت سے محروم بھی نہیں ہو گا کیونکہ وہ قاتل بھی نہیں ہے۔

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں چونکہ

شریعت نے اس کو قاتل قرار دیا ہے لہذا اس کا حکم وہی ہے جو قتل خطاء کی صورت میں ہوتا ہے۔

ہماری طرف سے یہ جواب ہے کہ یہاں حقیقتاً قتل نہیں پایا گیا لہذا مرنے والے کے خون کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے صرف ضمان کے حق میں اسے قتل قرار دیں گے لیکن دوسرے احکام میں وہ اپنی اصل پر رہے گا۔

قصاص کس صورت میں واجب ہوتا ہے اور کس صورت میں نہیں؟

ہر ایسے مقتول کا قصاص واجب ہے جو ہمیشہ کے لئے محفوظ الدم ہو اور اسے جان بوجھ کر قتل کیا جائے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے **کتب علیکم القصاص فی القتلٰی** چونکہ قتل خطاء میں دیت ہے لہذا قصاص کے لئے عمد شرط ہو گی اور ہمیشہ کے لئے اس کے خون کا محفوظ ہونا اس لئے ضروری ہے کہ مساوات اسی صورت میں قائم ہوتی ہے۔ اگر اس کے مباح الدم ہونے کا شبہ ہو تو مساوات نہیں ہو گی جب کہ قصاص مساوات کو چاہتا ہے۔

آزاد کو آزاد کے بدلے میں نیز آزاد کو غلام کے بدلے میں، مسلمان کو ذمی کے بدلے میں قتل کیا جائے گا لیکن مسلمان اور ذمی کو مستامن کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ مستامن کو مستامن کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ مرد کو عورت کے بدلے میں، بڑے کو چھوٹے کے بدلے میں، صحیح الاعضاء کو اندھے، شل ناقص الاعضاء اور مجنون کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ باپ کو بیٹے کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح کسی شخص کو اس کے غلام، مدبر، مکاتب اور اس کے اپنے بیٹے کے غلام کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک غلام کے بدلے میں آزاد کو قتل نہیں

کریں گے وہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا **الحر بالحر والعبد بالعبد** تو اس مقابلے کا تقاضا ہے کہ آزاد کو غلام کے بدلے قتل نہ کیا جائے۔ نیز قصاص مساوات پر مبنی ہے اور مالک و مملوک کے درمیان مساوات نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ غلام کے اعضاء کے بدلے میں آزاد کے اعضاء نہیں کاٹے جاتے۔

احناف کی دلیل عموی دلائل ہیں۔ مثلاً **کتب علیکم القصاص فی القتلٰی** اور **و کتبنا علیہم فیہا ان النفس بالنفس** نیز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا **القود العمد** ہماری دوسری دلیل یہ ہے کہ قصاص کے لئے مساوات فی العصمۃ ضروری ہے اور وہ دین یا دار کی وجہ سے ہوتی ہے جس میں یہ دونوں برابر ہیں۔ اور جو دلیل امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے قرآن کریم سے دی ہے تو وہ مذکورہ لوگوں کے لئے تخصیص ہے، اس میں غیر کی نفی نہیں ہے یعنی آزاد قاتل کو آزاد مقتول کے بدلے میں، غلام قاتل کو غلام مقتول کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ قرآن پاک مقتول غلام کے بدلے میں آزاد قاتل کے قتل کی نفی نہیں کرتا۔

مسلمان کو ذمی کے بدلے قتل کرنے میں امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا اختلاف ہے ان کی دلیل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ "مومن کو کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے" نیز جنایت کے وقت ان کے درمیان مساوات نہیں تھی یعنی اگرچہ وہ ذمی بعد میں مسلمان بھی ہو جائے لیکن جنایت کے وقت مساوات ضروری تھی جو نہیں پائی گئی۔ نیز ذمی کے کفر کی وجہ سے عدم مساوات کا شبہ پیدا ہوتا ہے کیونکہ کفر کی وجہ سے قتل جائز ہوتا ہے۔

احناف کے دلائل یہ ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذمی کے بدلے میں مسلمان کو قتل کیا۔ پھر دونوں میں مساوات بھی قائم ہے یعنی دارالسلام میں ہونا یا **مکلف** ہونا (اسلامی ملکی قوانین کا) اور جس کفر کی وجہ سے

قتل جائز ہوتا ہے وہ حربی کافر کا کفر ہے نہ کہ ذمی کا نیز جب ذمی کے بدلے میں ذمی کو قتل کیا جاتا ہے تو اس سے یہ شبہ بھی زائل ہو جاتا ہے۔

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے جو حدیث پیش کی ہے کہ "کسی مومن کو کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے" تو اس میں حربی کافر مراد ہے کیونکہ پوری حدیث اس طرح ہے **لایقتل مومن بکافر و لاذو عهد فی عهده** تو یہاں اگر کافر سے ذمی کافر مراد لیں تو مفہوم غلط ہو جائے گا کیونکہ اس سے ثابت ہو گا کہ کسی ذمی کے بدلے ذمی کو بھی قتل نہیں کر سکتے۔ لہٰذا صحیح مفہوم یہ ہے کہ کسی مسلمان اور ذمی کو حربی کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے۔

مستامن کے بدلے میں مسلمان کو اس لئے نہیں قتل کر سکتے کہ وہ عارضی طور پر دارالاسلام میں آیا واپس جانے کے بعد محارب ہونے کی وجہ سے مباح الدم ہو گا لہٰذا اس کا خون ہمیشہ کے لئے محفوظ نہیں ہے۔ مستامن کو مستامن کے بدلے میں قتل کرنا قیاس کا تقاضا ہے کیونکہ مساوات پائی جاتی ہے لیکن چونکہ مقتول ہمیشہ کے لئے محفوظ الدم نہیں ہے لہٰذا استحسانا" قصاص واجب نہیں ہو گا۔

صحیح الاعضاء انسان کو ناقص الاعضاء کے بدلے میں یا کسی اعلیٰ درجے والے کو ادنیٰ درجے والے کے بدلے میں قتل کرنا واجب ہے۔ کیونکہ قصاص کے دلائل میں عموم پایا جاتا ہے اور اگر عصمت کے علاوہ دوسری باتوں میں مساوات کو ضروری قرار دیا جائے تو دنیا میں قتل کا بازار گرم ہو جائے گا۔

بیٹے کے بدلے میں باپ کو اس لئے قتل نہیں کیا جاتا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "بیٹے کے بدلے میں باپ سے قصاص نہ لیا جائے" امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک اگر باپ بیٹے کو ذبح کر دے تو قصاص لیا جائے گا۔ ان کے خلاف یہی حدیث حجت ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ باپ بیٹے کی زندگی کا سبب ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بیٹا ہی اس کے فناء کا سبب بن

جائے۔ یہی وجہ ہے کہ بیٹا میدان جنگ میں باپ کے مقابلے میں آئے تو باپ کو قتل نہیں کر سکتا۔ یہاں اس حکم میں دادا' دادی' نانا' نانی وغیرہ شامل ہیں

اعتراض : بیٹا جب قتل ہو گیا تو قصاص لینے والے دوسرے حضرات ہیں لہٰذا اس صورت میں بیٹے کی طرف سے باپ کو فناء کرنا نہیں پایا گیا؟ اس لئے یہ قصاص جائز نہ ہونا چاہئے۔

جواب : حقیقت میں قصاص کا حق مقتول کو ہوتا ہے پھر وہ ورثاء کی طرف منتقل ہوتا ہے لہٰذا اگر باپ سے قصاص لیا جائے تو بیٹا ہی قصاص لینے والا قرار پائے گا۔

غلام کا قصاص مالک سے اس لئے نہیں لیا جا سکتا کہ اس کا حق خود مالک کو حاصل ہوتا ہے لہٰذا یہ اپنی ذات کے لئے اپنے آپ سے قصاص لینا ہوا جو صحیح نہیں۔ اس طرح اگر غلام میں بعض حصے کی ملکیت حاصل ہو تو بھی مالک قاتل کو قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ قصاص تقسیم نہیں ہوتا۔

آلہ قصاص

اس مسئلے میں احناف اور شوافع رحمہم اللہ کے درمیان اختلاف ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جس قسم کے فعل سے مقتول کو قتل کیا گیا ہے قاتل کے ساتھ بھی وہی عمل کیا جائے بشرطیکہ وہ غیر شرعی نہ ہو۔ اگر مر جائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کی گردن مار دی جائے کیونکہ قصاص میں مساوات ہونی چاہئے لیکن احناف کے نزدیک قصاص کے لئے ہتھیار کا استعمال ضروری ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "قصاص تلوار کے ساتھ ہوتا ہے" اور اس سے مراد ہتھیار ہے۔ نیز امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق چونکہ مقصود حاصل نہ ہونے کی صورت میں اس کی گردن مارنی پڑتی ہے اور یہ زیادتی ہے لہٰذا

جائز نہیں ہے۔

غلام مکاتب کا قصاص کون لے گا؟

اگر مکاتب غلام کو کسی نے جان بوجھ کر قتل کر دیا تو یہاں چند صورتیں ہوں گی۔

۱۔ مالک کے علاوہ اس کا کوئی وارث نہ ہو اور وہ بدل کتابت کے طور پر پورا مال چھوڑ کر مرے۔

۲۔ مالک کے علاوہ دیگر وارث بھی ہوں اور مال بھی چھوڑ کر جائے۔

۳۔ مال چھوڑ کر نہ جائے اور اس کے وارث بھی ہوں۔

۴۔ مال چھوڑ کر نہ جائے اور وارث بھی نہ ہوں۔

پہلی صورت میں شیخین کے نزدیک مالک کو قصاص لینے کا حق ہو گا لیکن امام محمد رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک اس صورت میں قصاص نہیں ہے وہ فرماتے ہیں کہ قصاص کا سبب شبہ ہو گیا کیونکہ اگر وہ آزاد ہو کر مرا ہے تو قصاص کا سبب ولاء ہے اور اگر غلامی کی حالت میں مرا ہے تو اس کا سبب ملک ہے اور یہ ایسے ہے جیسے کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ "تو نے یہ لونڈی مجھ پر اتنی قیمت میں بیچی ہے" اور مالک کہے کہ "میں نے اسے تیرے نکاح میں دیا ہے" تو اختلاف سبب کی وجہ سے وطی جائز نہ ہو گی۔ اس طرح یہاں بھی اختلاف سبب کی وجہ سے قصاص نہیں ہو گا۔ شیخین فرماتے ہیں کہ قصاص لینے کا حق مالک کو یقینی طور پر حاصل ہے، مالک معلوم بھی ہے حکم میں بھی کوئی اختلاف نہیں اور چونکہ سبب کے اختلاف سے کوئی جھگڑا پیدا نہیں ہوتا اس لئے اس کی پروا نہیں کی جائے گی۔ جہاں تک لونڈی والے مسئلے کا تعلق ہے تو وہاں حکم مختلف ہے کیونکہ ملک یمین کا حکم نکاح کے حکم کا غیر ہے۔

دوسری صورت میں قصاص واجب نہیں ہو گا کیونکہ یہاں مستحق مشتبہ ہو گیا اس لئے کہ اگر وہ غلام ہونے کی صورت میں مرا ہے تو مولیٰ کو حق حاصل ہو گا اور اگر آزاد ہو کر مرا ہے تو ورثاء کو حق ملے گا۔

(نوٹ) باوجود بدل کتابت چھوڑ کر مرنے کے غلام ہونے کا شبہ اس لئے ہے کہ اس مسئلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اختلاف ہے۔

تیسری صورت میں ورثاء کو قصاص کا حق نہیں ملے گا بلکہ یہ حق مولیٰ کو حاصل ہو گا کیونکہ مال نہ چھوڑنے کی وجہ سے وہ آزاد نہیں ہوا۔ چوتھی صورت کا بھی یہی حکم ہے۔

(نوٹ) اگر کسی غلام کا بعض حصہ آزاد کر دیا جائے اور باقی حصے کے لئے وہ مال نہ دے سکتا ہو پھر وہ مر جائے یا قتل ہو جائے تو آزاد تصور کیا جائے گا کیونکہ جب بعض حصہ آزاد ہو جائے تو عجز کی وجہ سے وہ آزادی فسخ نہیں ہوگی۔

(نوٹ) اگر راہن کے قبضے میں مرہون غلام قتل ہو جائے تو جب تک راہن اور مرہون جمع ہو جائیں قصاص واجب نہیں ہو گا کیونکہ مرتہن کو قصاص کی ولایت حاصل نہیں اس لئے کہ وہ اس کا مالک نہیں ہے اور راہن اگر اس کا ولی بنتا ہے تو قرض کے سلسلے میں مرتہن کا حق ساقط ہو جائے گا اس لئے دونوں کا اکٹھا ہونا ضروری ہے تاکہ مرتہن کا حق اس کی مرضی سے ساقط ہو۔

مخلوط العقل : مقتول کا ولی ہو تو کیا حکم ہو گا

اگر کسی ایسے شخص کا رشتہ دار قتل ہو جائے جس کی عقل ٹھیک نہیں ہے تو قصاص اس آدمی کا باپ لے گا کیونکہ اصل چیز یہاں یہ ہے کہ قصاص کے مستحق کو قلبی سکون حاصل ہو اور مخبوط الحواس کو جو سکون مل سکتا ہے اس کے

باپ کو بھی ملے گا لہٰذا قصاص کی ولایت اسے حاصل ہو جائے گی اب یہاں قصاص
کے بجائے دیت بھی لے سکتا ہے کیونکہ اس میں اس مخبوط العقل کا فائدہ ہے
البتہ مال لئے بغیر معاف نہیں کر سکتا کیونکہ اس میں اس پر شفقت کی بجائے اس کا
نقصان ہے۔

وصی بھی باپ کی طرح ہے لیکن یہ قصاص نہیں لے سکتا کیونکہ اسے اس
مخبوط العقل کی ذات پر ولایت حاصل نہیں ہے۔ جبکہ قصاص لینے کے لئے ولایت
ضروری ہے۔

اس مسئلے میں امام محمد رحمتہ اللہ علیہ نے جامع صغیر کی کتاب الصلح میں یہ
لکھا ہے کہ وصی کو صلح کا اختیار بھی نہیں ہے کیونکہ یہ نفس میں تصرف ہے البتہ
اس میں عوض دینا ہوتا ہے لہٰذا یہ قصاص کی طرح ہو جائے گا۔

ظاہر قول کی دلیل یہ ہے کہ مال عقد کی وجہ سے واجب ہو جاتا ہے اس
لئے یہاں باپ کی طرح وصی کو بھی اس کا اختیار ہے۔ جبکہ قصاص میں اصل
مقصود سکون قلب کو حاصل کرنا ہے اس لئے اس کا حق باپ سے مختص ہے۔ اگر
مخبوط العقل کا کوئی عضو کاٹ دیا جائے تو اس کا قصاص وصی بھی لے سکتا ہے۔
قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وصی کو اس کا اختیار نہیں ہونا چاہئے کیونکہ نفس کی طرح
یہاں بھی مقصود تشفی ہے۔ لیکن استحساناً" وصی کو یہ حق حاصل ہے کیونکہ اعضاء
کو اس اعتبار سے مال کی طرح قرار دیا گیا ہے یہ دونوں نفس کی حفاظت کے لئے
پیدا کئے گئے ہیں۔

مقتول کے اولیاء

اگر مقتول کے ورثاء میں چھوٹے اور بڑے دونوں قسم کے ورثاء پائے
جاتے ہوں تو امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک بڑے ورثاء کو قصاص لینے کا

حق ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک ان چھوٹوں سے بڑا ہونے تک قصاص نہیں لیا
جائے گا کیونکہ ان کا مشترک حق ہے اور قصاص میں تجزی نہ ہونے کی وجہ سے
بعض افراد قصاص نہیں لے سکتے جیسے اگر وہ دونوں مستحقین قصاص بڑے ہوں
لیکن ان میں سے ایک غائب ہو یا دونوں مقتول غلام کے مالک ہوں اور ان میں
سے ایک چھوٹا ہو تو غائب کے حاضر ہونے اور چھوٹے کے بڑا ہونے کا انتظار کیا
جائے گا۔

امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق قصاص کا سبب یعنی قرابت
سب میں مشترک ہے لہٰذا قصاص کا حق بھی سب کے لئے برابر ہو گا اور چونکہ بچہ
معاف بھی نہیں کر سکتا اس لئے کہ بچپن میں اسے اختیار نہیں ہے اور بالغ ہونے
کے بعد معاف کرنا ایک موہوم بات ہے لہٰذا ہر ایک کو ایک کامل اختیار حاصل ہو
گا جیسا کہ نکاح کرنے کی صورت میں ہوتا ہے جہاں تک صاحبین کے دو بڑے
وارثوں پر قیاس کا تعلق ہے تو اس میں اس بات کا احتمال ہے کہ جو غائب ہے وہ
معاف کر دے لہٰذا اس کا انتظار کرنا ہو گا۔ غلام کے دو مالکوں والا مسئلہ متفق علیہ
نہیں ہے لہٰذا اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

ہتھیار نما آلہ سے قتل

اگر کسی شخص کو ایسے آلے کے ساتھ مارا اور زخمی کر دیا جس میں لوہا اور
لکڑی دونوں پائے جاتے ہوں تو اب دیکھنا ہو گا کہ اس کی دھار والی طرف کے
ساتھ مارا ہے یا پیٹھ کے ساتھ اگر وہ دھار والی طرف کے ساتھ مارے اور مضروب
مر جائے تو زخمی ہونے کی وجہ سے قتل کا سبب کامل طور پر پایا گیا لہٰذا قصاص ہو گا
اور اگر اس آلے کی پیٹھ کے ساتھ مارے جس سے وہ زخمی نہ ہو لیکن مر جائے تو
صاحبین کے نزدیک قصاص واجب ہو گا کیونکہ وہ اس کے آلہ قتل ہونے کا اعتبار

کرتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت اس طرح ہے لیکن آپ کا اصح قول یہ ہے کہ اگر وہ زخمی ہو جائے تو قصاص ہو گا ورنہ دیت لازم ہو گی اور اگر اس کی لکڑی کے ساتھ مارے تو چونکہ سبب کامل نہیں ہے اس لئے قصاص نہیں ہو گا۔ لیکن نفس معصومہ کا قتل پایا گیا لہٰذا اس کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے دیت واجب ہو گی۔

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا اس مسئلے میں اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بار بار اسے مارنا حتیٰ کہ وہ مرجائے قصد کی دلیل ہے لہٰذا قصاص واجب ہو گا۔

لیکن احناف کے نزدیک یہ قتل عمد نہیں ہے کیونکہ حدیث شریف میں اس کو خطاء عمد یعنی شبہ عمد قرار دیا گیا ہے نیز اس میں قصد نہ پائے جانے کا شبہ بھی ہے کیونکہ بعض اوقات تادیب کے لئے زیادہ ضربیں لگائی جاتی ہیں یا ان ضربوں کے دوران قصد پایا جاتا ہے اور اس سے پہلے والا عمل قصد سے خالی ہوتا ہے اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ بغیر ارادہ قتل کے وہ شخص مرجائے لہٰذا ان شبہات کی صورت میں قصاص ساقط ہو جائے گا۔

ہلاکت کی چند اور صورتیں اور ان کا حکم

اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو دریا میں ڈبو کر ہلاک کر دے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قصاص نہیں ہو گا جبکہ **صاحبین** اور امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک قصاص لیا جائے گا۔ البتہ ان حضرات کے درمیان یہ اختلاف ہے کہ صاحبین کے نزدیک قاتل کو قتل کیا جائے گا اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک اسے غرق کیا جائے گا۔

قصاص پر ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ دریا کا پانی آلہ قتل ہے، قصد بھی پایا گیا اور مقتول کا خون معصوم بھی تھا نیز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جو کسی کو غرق کرے ہم اس کو غرق کریں گے"۔

امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ قتل عمد نہیں ہے کیونکہ دریا کا پانی اس مقصد کے لئے نہیں بنایا گیا اور نہ ہی اس کے لئے مستعمل ہے لہٰذا ارادے میں شبہ پایا گیا۔ نیز قصاص کا لفظ مماثلت کو واضح کرتا ہے اور زخمی کرنے اور غرق کرنے میں مماثلت نہیں ہے اس طرح جھڑکنے کی جو حکمت ہے اس میں بھی مماثلت نہیں پائی جاتی کیونکہ ہتھیار سے قتل عام طور پر پایا جاتا ہے۔ جبکہ کسی بھاری چیز یا دریا کی وجہ سے ہلاکت بہت کم پائی جاتی ہے۔

دوسرے حضرات کی طرف سے پیش کی گئی حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث غیر مرفوع ہے یا سیاست پر محمول ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قاتل کو غرق کرنے کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے لہٰذا قصاص واجب نہیں ہو گا اور دیت واجب ہو جائے گی۔

کفارے کے بارے میں امام صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے دو مختلف روایتیں منقول ہیں۔ کسی شخص کو جان بوجھ کر زخمی کیا پھر وہ صاحب فراش رہا اور اس کے بعد مر گیا تو قصاص ہو گا کیونکہ اس کا سبب پایا گیا۔

مسلمانوں کی غیر مسلموں سے لڑائی کے دوران کسی مسلمان نے دوسرے مسلمان کو یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ مشرک ہے، قتل کر دیا تو یہ قتل چونکہ غلطی سے ہوا لہٰذا قصاص نہیں ہو گا بلکہ دیت اور کفارہ واجب ہو گا۔ قرآن مجید سے ثابت ہے۔ نیز جب حضرت ابوحذیفہ یمان رضی اللہ عنہ کو لڑائی کے دوران قتل کر دیا گیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیت کا فیصلہ فرمایا لیکن یہ

بات یاد رہے کہ یہ اس صورت میں ہے جب وہ مقتول مسلمانوں اور کفار کے باہم
گتھم گتھا لشکر میں ہو۔ لیکن اگر وہ مشرکین کی صف میں ہو تو پھر دیت بھی واجب
نہیں ہوگی کیونکہ اس نے لشکر کفار میں اضافہ کا باعث بن کر اپنی عصمت کو ساقط
کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جو شخص کسی قوم کی
جماعت کو بڑھائے وہ انہیں میں سے ہے۔"

ہلاکت کے متعدد اسباب

اگر کوئی شخص اپنے آپ کو زخمی کرے کوئی دوسرا آدمی بھی اسے زخمی کر
دے شیر اور سانپ بھی اسے کاٹ لیں پھر وہ مرجائے تو جس شخص نے اسے زخمی
کیا ہے اس پر دیت کا تہائی واجب ہوگا کیونکہ یہاں بنیادی طور پر ہلاکت کے تین
اسباب ہیں۔

۱۔ سانپ اور شیر کا کاٹنا ایک جنس ہے۔ اس کاٹنے کی وجہ سے دنیا و آخرت میں
کچھ بھی واجب نہیں ہوتا۔

۲۔ خود اپنے آپ کو زخمی کرنے سے آخرت میں گنہگار ہوگا لیکن دنیا میں کچھ
بھی واجب نہیں ہوگا۔ اس طرح دو سبب ایسے ہیں جن کی وجہ سے کچھ بھی
واجب نہیں ہوگا۔

۳۔ اب صرف تیسرا سبب رہ گیا یعنی کسی دوسرے آدمی کا اسے زخمی کرنا تو اس
پر دیت کا تہائی واجب ہو جائے گا کیونکہ اجنبی کا فعل دنیا و آخرت میں معتبر ہے۔

ہتھیار نکال کر پھرنا

اگر کوئی شخص ننگے ہتھیار کے ساتھ مسلمانوں کو خوفزدہ کرنے کے لئے شہر
میں یا اس سے باہر پھرتا ہے تو مسلمانوں کے لئے اسے قتل کرنا جائز ہے بشرطیکہ
کسی اور طریقے پر اپنے آپ سے ضرر کو دور نہ کیا جا سکے۔ سرکار دوعالم محمد مصطفی

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جو شخص مسلمانوں پر اپنی تلوار کو ننگا کرتا ہے
اس نے اپنے خون کو مباح کر دیا۔" اس حدیث کی روشنی میں اس شخص کی
عصمت ساقط ہو جاتی ہے لہٰذا اسے قتل کرنا جائز ہے۔

جامع صغیر کے باب السرقہ میں کچھ تفصیل ہے وہ یوں کہ اگر رات کے
وقت یا دن کو اسلحہ لے کر چلے یا رات کے وقت شہر میں اور دن کے وقت شہر سے
باہر راستے میں لاٹھی لے کر چلے اور کسی شخص کو ڈرائے دھمکائے تو وہ شخص اسے
عمداً قتل کر سکتا ہے کیونکہ ان تینوں صورتوں میں اس شخص کے بچاؤ کی اور کوئی
صورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہتھیار فوری طور پر کام کرتا ہے اور لاٹھی کی
صورت میں رات کے وقت شہر میں اور دن کو شہر سے باہر کسی مددگار کا پہنچنا مشکل
ہوتا ہے لہٰذا اپنی جان بچانے کے لئے سوائے اسے قتل کرنے کے اور کوئی چارہ
نہیں ہے۔

اگر مجنون یا بچہ اسلحہ کے ذریعے ڈرائیں، دھمکائیں یا جانور کسی کو ہلاک
کرے اور وہ شخص جواباً جان بوجھ کر ان کو ہلاک کر دے تو اس پر دیت لازم ہو
گی۔ جو اپنے مال سے ادا کرے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کچھ بھی
واجب نہیں ہوگا جبکہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جانور کی قیمت بطور
تاوان دے گا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ اس شخص نے اپنا دفاع کیا لہٰذا
بالغ اور عقلمند آدمی کی طرح قرار پائے گا نیز اسے قتل کرنے پر مجبور کیا گیا اس لئے
وہ مکرہ کی طرح ہوگا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ جانور کا عمل غیر معتبر ہے
جبکہ پاگل اور بچے کا فعل معتبر ہے اس لئے ان دونوں کی عصمت ساقط ہو جائے گی
اور جانور کی عصمت چونکہ اس کے مالک کی وجہ سے ہے لہٰذا وہ ساقط نہیں ہو

گی۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ اس شخص نے ایک معصوم کو قتل کیا اور ایسے مال کو ہلاک کیا جو مالک کے حق کے طور پر معصوم ہے۔

جانور کا فعل اس عصمت کو ساقط کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور چونکہ ان دونوں کو اختیار صحیح حاصل نہیں ہے لہٰذا ان کی عصمت ساقط نہیں ہوگی البتہ اختیار صحیح نہ ہونے کی وجہ سے قصاص واجب نہیں ہو گا۔

اگر کسی شخص نے شہر میں دوسرے آدمی پر ہتھیار اٹھایا اور اس نے (جس پہ ہتھیار اٹھایا گیا) اسے مارا اور چلا گیا اب کسی اور شخص نے ہتھیار اٹھانے والے کو قتل کر دیا تو قصاص قاتل پر ہو گا۔ اگر کوئی شخص چوری کر کے مال لے جائے اور مالک اس کا پیچھا کرتے ہوئے اسے قتل کردے تو قاتل پر کچھ بھی لازم نہیں آئے گا کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اپنے مال کی حفاظت کے لئے لڑو" تو جس طرح ابتداء" چور کو قتل کر سکتا ہے مال کی واپسی کے لئے بھی اسے قتل کر سکتا ہے لیکن یہ بات یاد رہے کہ اگر قتل کے بغیر مال واپس نہ لے سکے تو تب قتل کی اجازت ہے ورنہ نہیں۔

نفس سے کم میں قصاص

اگر کسی شخص کے کسی عضو کو کاٹا جائے یا اسے زخمی کیا جائے تو جس حد تک مماثلت ممکن ہو اس کی رعایت کرتے ہوئے قصاص لیا جائے گا۔ لہٰذا اگر کسی نے دوسرے آدمی کا ہاتھ کلائی سے کاٹا' اسی طرح پاؤں یا ناک کے نرم حصے کو کاٹا یا کان کو کاٹا تو ان تمام صورتوں میں جارح اور مجروح کے اعضاء کے درمیان چھوٹا' بڑا ہونے کا تفاوت ملحوظ نہیں ہو گا۔ کیونکہ منفعت میں کوئی فرق نہیں ہے لہٰذا قصاص لیا جائے گا۔ اس طرح اگر دانت توڑا تو اگرچہ توڑنے والے کا دانت بڑا ہو پھر بھی بدلہ لیا جائے گا کیونکہ دونوں کا نفع برابر ہے لیکن اگر کوئی شخص کسی کی

آنکھ نکال دے تو چونکہ یہاں مماثلت ممکن نہیں ہے لہٰذا قصاص نہیں ہو گا البتہ آنکھ قائم رہے اور بینائی چلی جائے تو یہاں امکان مماثلت کی وجہ سے قصاص ہو گا۔ اس کا طریقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی ایک جماعت سے اس طرح مروی ہے کہ۔

"شیشہ گرم کیا جائے اور تر روئی اس آدمی کے چہرے پہ رکھ کر شیشے کو اس کے سامنے کیا جائے تو بینائی چلی جائے گی۔"

دانتوں کے علاوہ کسی ہڈی میں قصاص نہیں ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہڈی میں قصاص نہیں ہے" اور اس سے مراد دانتوں کے علاوہ ہڈی ہے کیونکہ دانت نکالنے میں مماثلت ممکن ہے جبکہ دوسری ہڈیوں کو توڑنے میں مماثلت نہیں ہو سکتی اور پھر دانت کا قصاص نص قرآنی سے ثابت ہے۔

(نوٹ) اعضا جسم میں زخم عمداً" ہو گا یا خطاء۔ شبہ عمد نہیں ہو سکتا کیونکہ قتل میں تو آلہ مختلف ہوتا ہے لہٰذا حکم مختلف ہو گا لیکن یہاں یہ صورت نہیں ہے۔

اعضا میں عورت اور مرد نیز آزاد اور غلام کے درمیان قصاص

اس مسئلے میں احناف اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے درمیان اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک قتل کے علاوہ زخموں یا عضو کاٹنے میں مرد و عورت اور آزاد و غلام کے درمیان قصاص نہیں ہو گا۔ اس طرح دو غلاموں کے درمیان بھی قصاص نہیں ہو گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک قصاص ہو گا البتہ غلام کا عضو کاٹنے کی صورت میں آزاد سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے اعضاء کو نفس کے تابع قرار دیتے ہوئے وہی حکم لگایا جو نفس کا ہے۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ اعضاء کے سلسلے میں مال والا طریقہ اختیار

کیا جاتا ہے اور شریعت کی طرف سے اعضاء کی دیت مقرر ہونے کی وجہ سے ان
کے درمیان تفاوت پایا جاتا ہے مثلاً مرد کے ہاتھ کی دیت پانچ سو دینار ہے اور
عورت کے ہاتھ کی دیت اس کا نصف ہے لہٰذا مماثلت نہیں ہوگی۔ ہاتھ کے بڑا یا
چھوٹا ہونے کی صورت میں اگرچہ بظاہر مماثلت نہیں ہے لیکن ان کی قیمت
شریعت نے الگ الگ مقرر نہیں کی ہے۔

اس طرح نفس کے قتل میں روح کو نکالنا ہے اور اس میں بھی تفاوت نہیں
ہے لہٰذا ان کا حکم الگ ہوگا۔

(نوٹ) مسلمان اور کافر کے درمیان اعضاء میں قصاص واجب ہوگا کیونکہ
اس کی دیت میں تفاوت نہیں ہے۔

۱۔ بعض صورتوں میں زخموں یا کسی عضو کو کاٹنے کی صورت میں قصاص ساقط
ہو جاتا ہے مثلاً کسی شخص کا بازو نصف سے کاٹا یا پیٹ تک پہنچنے والا زخم لگایا اور
وہ زخم ٹھیک ہو گیا تو اس صورت میں قصاص ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ مماثلت
ممکن نہیں ہے اس لئے کہ پہلی صورت میں ہڈی کو توڑنا ہے تو ممکن ہے کہ جہاں
سے توڑنا چاہیں اس کی بجائے دوسری جگہ سے ٹوٹ جائے اور دوسری صورت میں
ضروری نہیں ہے کہ قصاص میں لگایا جانے والا زخم بھی ٹھیک ہو جائے لہٰذا وہ
ہلاکت تک پہنچا سکتا ہے۔

۲۔ جو ہاتھ کاٹا گیا وہ صحیح تھا اور کاٹنے والے کا ہاتھ شل ہے یا اس کی انگلیاں کم
ہیں تو اس صورت میں کامل طور پر قصاص لینا ممکن نہ ہونے کی وجہ سے یا تو اسی
شل ہاتھ کو کاٹے اور اس کے ساتھ اسے مال وغیرہ نہیں ملے گا۔ جیسے کوئی آدمی
کھرے سکے کی بجائے کھوٹے سکے پر راضی ہو جاتا ہے اور یا اس کا تاوان لے
لے۔ اور یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے کوئی مثلی چیز ہلاک ہو جائے اور اب بازار سے

بھی نہ ملے تو اس کی قیمت دینی پڑتی ہے۔

۳۔ اگر مظلوم کے کسی بات کو اختیار کرنے سے پہلے شل ہاتھ گر جائے یا اسے
کوئی ظلماً کاٹ دے تو اب اس کے لئے کوئی چیز نہیں ہوگی کیونکہ مقطوع الیہ کا
حق قصاص میں متعین تھا اور جب وہ ہاتھ ہی نہ رہا تو مال کا اختیار کرنے کا اختیار
ساقط ہو جائے گا۔ البتہ اگر وہ شل ہاتھ کسی حق میں کاٹا جائے مثلاً قصاص یا چوری
میں تو اب اسی پر چٹی لازم ہوگی کیونکہ مقطوع الیہ کے حق میں اس کے ہاتھ کو
موجود قرار دیا جائے گا لیکن حقیقتاً موجود نہ ہونے کی وجہ سے تاوان لازم ہوگا۔

۴۔ ایک شخص نے دوسرے کے سر کو زخمی کیا اور زخمی کرنے والے کا اپنا سر
اس کے سر سے بڑا ہے تو چونکہ زخم کے چھوٹا اور بڑا ہونے کی وجہ سے سر کے
عیب میں بھی کمی زیادتی ہوتی ہے لہٰذا اسے اختیار ہے کہ جارح کے سر کا اتنا حصہ
زخمی کرے جتنا اس کا اپنا سر زخمی ہے یا تاوان لے لے۔

اور اگر زخمی کرنے والے کا سر چھوٹا ہو اور جو سر زخمی کیا گیا وہ بڑا ہو تو
اسی حساب سے اسے زخمی کیا جائے گا یا دیت لے لے گا۔ سر کا زخم لمبائی میں ہو
یا چوڑائی میں دونوں صورتوں میں ایک ہی حکم ہے۔

۵۔ زبان اور عضو تناسل کو کاٹنے کی صورت میں طرفین کے نزدیک قصاص
نہیں ہوگا۔ کیونکہ ان دونوں چیزوں کے سکڑنے اور پھیلنے کی وجہ سے مساوات
ممکن نہیں ہے جبکہ امام ابویوسف رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک اگر اس کو اصل سے
کاٹے تو قصاص واجب ہوگا کیونکہ مساوات کا اعتبار ممکن ہے۔ البتہ پورے حشفہ
کو کاٹنے کی صورت میں قصاص لینے پر اتفاق ہے کیونکہ وہ جگہ معلوم ہے۔ یہ اسی
طرح ہے جیسے کلائی سے ہاتھ کاٹنا' یہاں چھوٹے' بڑے کا اعتبار نہیں ہوگا۔

مال پر صلح

اگر مقتول کے اولیاء اور قاتل قصاص کے سقوط پر اور مال کی ادائیگی پر مصالحت کرلیں تو قصاص ساقط ہو جائے گا اور مال واجب ہو جائے گا مال تھوڑا ہو یا زیادہ۔ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے۔

"پس جس کو معاف کیا گیا اس کے بھائی کی طرف سے کچھ تو تقاضا کرنا ہے اچھے طریقے سے اور اس کے حوالے کرنا ہے اچھے طریقے سے۔"

اسی طرح حدیث شریف میں فرمایا

"جن لوگوں کا مقتول ہو انہیں دو باتوں کے درمیان اختیار ہے۔ چاہیں تو قصاص لیں اور چاہیں تو دیت لیں۔"

اور چونکہ یہ حق ورثاء کو حاصل ہے لہٰذا جس طرح وہ کسی معاوضہ کے بغیر معاف کر سکتے ہیں۔ معاوضہ لے کر معاف کرنے کا بھی حق رکھتے ہیں اور چونکہ خلع وغیرہ کی طرح یہاں بھی شریعت کی طرف سے کوئی مقدار مقرر نہیں ہے لہٰذا وہ جتنا مال چاہے رکھ سکتے ہیں۔ اگر اس مال کی ادائیگی کے لئے کوئی میعاد مقرر نہ کریں تو اس کی ادائیگی فوری طور پر کرنی ہو گی کیونکہ جو مال کسی عقد کی وجہ سے واجب ہوتا ہے مطلق ذکر کی صورت میں ادائیگی فی الحال ہوتی ہے اور اگر عقد کی وجہ سے واجب نہ ہو جیسے دیت کا وجوب ہے تو اس کی ادائیگی فی الحال ضروری نہیں ہے۔

کسی وارث کا قصاص کو معاف کردینا یا عوض لینا

اگر مقتول کے اولیاء میں سے کوئی شخص قصاص نہ لینا چاہے یا پیسوں کے بدلے اپنے حصے میں مصالحت کرلے تو احناف کے نزدیک قصاص ساقط ہو جائے گا اور دوسرے حضرات کو دیت ملے گی جب کہ حضرت امام شافعی، اور امام مالک

رحمہا اللہ نے میاں بیوی کے سلسلے میں اختلاف کیا ہے یعنی وہ ایک دوسرے کا قصاص لینے کا حق نہیں رکھتے کیونکہ یہاں خلافت بطور وراثت ہوتی ہے اور وہ وراثت نسبی اعتبار سے ہو گی کیونکہ موت کی وجہ سے سبب وراثت منقطع ہو گیا۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی کی دیت کا ان کی زوجہ کو وارث بنایا نیز یہ قصاص اور دیت ایک ایسا حق ہے جس میں وراثت جاری ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی شخص کو قتل کیا گیا اور اس کے دو بیٹے تھے۔ پھر ان میں سے ایک بیٹے نے اپنا ایک بیٹا چھوڑ کر وفات پائی تو مقتول کے بیٹے اور پوتے دونوں کو حق قصاص حاصل ہو گا لہٰذا ثابت ہوا کہ قصاص کا حق تمام ورثاء کے لئے ہے اور چونکہ خاوند کے مرنے کے بعد وراثت کے حق میں زوجیت باقی ہوتی ہے یا یہ کہ موت کا سبب یعنی زخم جس وقت پایا گیا اس وقت وہ اس کی بیوی تھی لہٰذا بیوی کو بھی دیت میں سے حصہ ملے گا۔ اور جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ قصاص لینا یا معاف کرنا سب ورثاء کا حق ہے اور قصاص میں تجزی بھی نہیں ہوتی لہٰذا کسی ایک کے ساقط کرنے سے قصاص ساقط ہو جائے گا اور اب انہیں دیت ملے گی۔ البتہ اگر قاتل دو آدمیوں کو قتل کرے تو چونکہ ہر مقتول کے ورثاء کا الگ الگ حق ہے لہٰذا ایک مقتول کے ورثاء کے معاف کر دینے سے دوسرے مقتول کے ورثاء کا حق ساقط نہیں ہو گا بلکہ وہ قصاص لے سکتا ہے۔

دیت کتنے عرصے میں دی جائے گی؟

اس سلسلے میں امام زفر رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ دو سال میں ادا کی جائے گی کیونکہ اگر دو شریکوں میں سے ایک معاف کر دے تو دوسرے کے لئے قاتل کو نصف دیت ادا کرنا ہوتی ہے لہٰذا ہاتھ کی دیت کی طرح

یہاں بھی دو سال کا وقت دیا جائے گا۔

ہمارے نزدیک تین سال میں یہ دیت ادا ہو گی کیونکہ کل دیت کے لئے تین سال مقرر ہیں تو جزو کا حکم بھی وہی ہو گا۔ اسے ہاتھ کی دیت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس میں خود شریعت نے دو سال مقرر کئے ہیں۔

ایک جماعت کا کسی کو قتل کر دینا

اگر ایک پوری جماعت کسی شخص کو قتل کر دے تو قصاص میں ان سب کو قتل کیا جائے گا۔ کیونکہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اگر تمام اہل صنعاء (یمن کا دارالحکومت) قتل کرتے تو میں ان سب کو قتل کرتا" یہ اس وقت کی بات ہے جب پانچ یا سات آدمیوں نے ایک شخص کو دھوکے سے قتل کر دیا تھا۔

نیز عام طور پر قتل باہمی تعاون سے ہوتا ہے اگر باقی لوگوں کو چھوڑ دیا جائے اور صرف ایک کو قتل کیا جائے تو قصاص کی حکمت ختم ہو جائے گی۔

اگر ایک آدمی زیادہ افراد کو قتل کرے تو ان سب مقتولین کے ورثاء حاضر ہوں یا ان میں سے ایک حاضر ہو' اسے سب کی طرف سے قتل کر دیا جائے گا اور ان لوگوں کو مزید کچھ نہیں ملے گا۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ اسے پہلے مقتول کے بدلے قتل کیا جائے اور باقی لوگوں کے لئے مال واجب ہو جائے گا۔

اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ پہلے کسے قتل کیا ہے اور تمام مقتولین کے ورثاء حاضر ہوں تو ان سب کی طرف سے اسے قتل کرتے ہوئے ان میں دیتوں کو بھی تقسیم کیا جائے یا ان میں قرعہ اندازی کی جائے اور جس کے نام پر قرعہ نکلے اس کی طرف سے قتل کیا جائے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ ایک

توی نے کئی قتل کئے اب اگر صرف اس کے قتل پر اکتفاء کیا جائے تو مساوات نہیں ہو گی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ مقتولین کے ورثاء میں سے ہر ایک کامل طور پر بطور قصاص اس کا قاتل ہو گا۔ جس طرح پہلی صورت میں تمام قاتلوں کو برابر قاتل قرار دیتے ہوئے سب کو قصاص میں قتل کیا گیا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اصل میں قتل حرام ہے اس کے باوجود جس مقصد کے لئے قصاص کو جائز قرار دیا گیا وہ اس کے قتل سے حاصل ہو رہا ہے۔

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ پر ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ پہلی صورت میں ایک مقتول کے بدلے زیادہ افراد کو قتل کرنا مساوات کے خلاف ہے جبکہ اس مسئلے میں آپ نے مساوات کو بنیاد بنایا تو ان کی طرف سے اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ وہاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فیصلے کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا گیا۔

قاتل کا فوت ہو جانا

اگر قصاص لینے سے پہلے قاتل مرجائے تو قصاص ساقط ہو جائے گا کیونکہ قصاص لینے کا محل ختم ہو گیا جس طرح جنایت کرنے والا غلام مرجائے تو تاوان ساقط ہو جاتا ہے۔ لیکن امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک قصاص ساقط نہیں ہو گا کیونکہ وہ شروع میں قصاص اور دیت میں سے ایک چیز کا اختیار دیتے ہیں لہٰذا ان کے نزدیک قصاص کی طرح دیت بھی اصل ہے۔

دو آدمیوں کا کسی کا ہاتھ کاٹنا

اگر دو آدمیوں نے مل کر چھری کو ایک شخص کے ہاتھ پر چلایا اور اسے

کاٹ دیا تو اس صورت میں احناف کے نزدیک قصاص ساقط ہو جائے گا کیونکہ ہر ایک نے ہاتھ کا بعض حصہ کاٹا ہے لہٰذا ان میں سے ہر ایک کی طرف بعض کی اضافت ہو گی اور مماثلت ممکن نہ ہونے کی وجہ سے قصاص نہ ہو گا امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک ان دونوں کا ہاتھ کاٹا جائے گا وہ فرماتے ہیں کہ ہاتھ نفس کے تابع ہے لہٰذا وہی حکم ہو گا جو نفس کے بارے میں ہے یا اس لئے دونوں کا ایک ہو گا کہ دونوں میں مقصود تنبیہ کرنا ہے۔

احناف کی طرف سے نفس پر قیاس کا جواب یوں دیا جاتا ہے کہ اس میں جان کو نکالنا ہوتا ہے لہٰذا تجزی نہیں ہوتی جبکہ ہاتھ کے کاٹنے میں بعض کو ایک کی طرف اور بعض کو دوسرے کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہاں تجزی ہوتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قتل میں عام طور پر کئی آدمی شریک ہوتے ہیں تاکہ مقتول کو مدد نہ مل سکے جبکہ ہاتھ کاٹنے کا مسئلہ اس سے مختلف ہے کیونکہ اس میں ہاتھ کاٹنے سے پہلے کئی امور طے کرنے ہوتے ہیں لہٰذا یہاں اجتماع نادر ہوتا ہے اس لئے کہ اس شخص کو جس کا ہاتھ کاٹا جارہا ہے۔ عمل میں تاخیر کی وجہ سے مدد مل سکتی ہے۔ لہٰذا اب دونوں آدمیوں کو نصف دیت دینا ہوگی۔

ایک آدمی دو آدمیوں کے ہاتھ کاٹے

اگر کسی شخص نے دو آدمیوں کا دایاں ہاتھ کاٹا پھر دونوں نے قصاص کا مطالبہ کیا تو انہیں حق ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹیں اور نصف دیت لے کر آپس میں تقسیم کرلیں چاہے اس میں دونوں کے ہاتھ بیک وقت کاٹے ہوں یا آگے پیچھے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر آگے پیچھے کاٹے ہیں تو جس کا ہاتھ پہلے کاٹا گیا ہے اس کے بدلے میں ہاتھ کاٹا جائے اور

...راحت وصول کرے اور اگر دونوں کے ہاتھ اکٹھے کاٹے ہیں تو قرعہ اندازی کی ...

احناف کی دلیل یہ ہے کہ دونوں حضرات کو برابر کا حق حاصل ہے لہٰذا حکم ...بھی برابری ہو گی جیسے کسی شخص کے مال میں قرض خواہوں کا حق برابر ہوتا ...

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے اسے رہن پر قیاس کرتے ہوئے فرمایا کہ جب ...شخص کے پاس کوئی چیز رہن رکھ دی جائے تو اس کا حق ثابت ہو جاتا ہے ...دوسرے کے پاس نہیں رکھ سکتے۔ اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ قصاص ...کے اعتبار سے یعنی قتل ہونے کی وجہ سے پسندیدہ عمل نہیں بلکہ منع ہے ...ضرورت کے تحت اسی وقت ظاہر ہوگا جب قصاص لینا مقصود ہو۔ لہٰذا قصاص ...میں ثابت ہو گا محل میں نہیں۔ جبکہ رہن میں جو حق ثابت ہوتا ہے وہ محل ...ہوتا ہے اس لئے اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا اور اگر ان دونوں میں سے ایک ...حاضر ہو تو اس کی طرف سے جارح کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور دوسرے کے لئے ...دیت ہوگی۔

اس لئے کہ جو آدمی حاضر ہے اس کا حق ثابت ہو چکا ہے اور دوسرے کے ...میں کچھ پتہ نہیں کہ وہ کیا چاہتا ہے؟ لہٰذا قصاص پہلے کے حق میں پورا ہو ...اور دوسرے کے حق میں چونکہ قصاص کا محل باقی نہیں رہا لہٰذا اس کا حق ...دیت ہوگا۔

...م کا کسی کو قتل کر دینا

اگر غلام قتل عمد کا اقرار کرے تو ہمارے نزدیک قصاص لازم ہو گا۔ جبکہ ...ز رحمتہ اللہ علیہ اس کے اقرار کو صحیح نہیں قرار دیتے وہ فرماتے ہیں کہ چونکہ

اس اقرار کی وجہ سے مالک کو نقصان پہنچتا ہے لہٰذا جس طرح مال کے سلسلے میں غلام کا اقرار صحیح نہیں ہے اس طرح یہاں بھی صحیح نہیں ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ غلام کا اقرار صحیح نہ ہونے کی وجہ سے اس پر تہمت کا خدشہ ہوتا ہے کہ شاید مالک سے مال نکالنے کے لئے اس نے یہ منصوبہ بنایا لیکن چونکہ قصاص میں قتل ہونے کی وجہ سے خود اس کی ذات کو نقصان پہنچتا ہے اس لئے یہاں تہمت کا خطرہ نہیں ہوگا اور اس کے اقرار کو قبول کر لیا جائے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس کے انسان ہونے کی وجہ سے قتل کے حق اصل آزادی کا اعتبار کیا جائے گا یہی وجہ ہے کہ مالک اگر غلام کے خلاف حدود یا قصاص کا اقرار کرے تو وہ صحیح نہیں ہوتا اور مالک کے حق کا بطلان چونکہ ضمنی طور پر ہو رہا ہے لہٰذا اس کی پرواہ نہیں کی جائے گی۔

ایک کی بجائے دو قتل

کوئی شخص کسی دوسرے پر جان بوجھ کر تیر پھینکے اور وہ تیر اس کے جسم میں لگ کر دوسرے آدمی تک پہنچ جائے اور یہ دونوں مرجائیں تو پہلے آدمی کا قتل کی وجہ سے قصاص واجب ہوگا اور دوسرے کے سلسلے میں دیت لازم ہوگی۔ کیونکہ پہلا قتل، قتل عمد ہے اور دوسرا قتل خطا ہے۔

سوالات

۱- قتل کی کتنی اور کون کون سی اقسام ہیں نام مع تعریف لکھیں؟

۲- قتل عمد کی تعریف اور حکم لکھیں نیز یہ بتائیں کہ قصاص واجب ہے اس سلسلے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اختلاف کی نوعیت ذکر کریں؟

۳- شبہ عمد کی تعریف، امام ابوحنیفہ اور دوسرے ائمہ رحمہم اللہ کے درمیان اختلاف کی وضاحت مع دلائل مطلوب ہے۔

۴- قتل خطا کی اقسام بیان کریں اور بتائیں کہ قتل خطاء اور جاری مجریٰ خطاء میں کیا فرق ہے اور کیا ان کے حکم میں بھی فرق ہے؟

۵- قصاص کب واجب ہوتا ہے اور کسی شخص کو کس کے قصاص میں قتل کیا جاسکتا ہے۔ باپ کو بیٹے کے قصاص میں قتل کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ مع دلائل وضاحت کریں۔

۶- مکاتب کے قصاص نیز معتوہ ولی کے قصاص کے سلسلے میں احکام تفصیلاً ذکر کریں؟

۷- کن کن صورتوں میں قصاص واجب ہے؟ اور کن کن صورتوں میں نہیں ہوسکتا۔ ایک اجمالی خاکہ پیش کریں؟

۸- مسلمانوں پر تلوار سونت کر نکلنے والے کے بارے میں شرعی احکام واضح کریں؟

۹- قصاص فیما دون النفس کے احکام پر ایک مختصر مگر جامع خاکہ پیش کریں؟

۱۰- اعضاء کے قصاص کے سلسلے میں مماثلت کی صورت کیا ہوگی؟ مختلف اعضاء کے حوالے سے بیان کریں؟

۱۱- کسی ایک شخص کو جماعت قتل کرے یا ایک شخص پوری جماعت کو قتل کرے تو قصاص کا حکم کیا ہوگا؟

۱۲- ہاتھ کاٹنے اور پھر قتل کرنے یا اس کے برعکس کرنے کے سلسلے میں چند صورتیں کتب میں مذکور ہیں ان کی وضاحت کریں؟

۱۳- قصاص فی الطرف کی استیفاء کے بعد مقطوع مرجائے تو دیت کے

سلسلے میں ائمہ احناف کے درمیان اختلاف ہے اس کی وضاحت کریں؟

۱۴ - ایک سے زائد اولیاء کی صورت میں قتل کی گواہی کا حکم کیا ہے؟ نیز قتل کی جگہ اور وقت میں گواہی دینے والوں کے اختلاف کا نتیجہ کیا ہوگا؟

۱۵ - مقتول کے معصوم الدم ہونے کا اعتبار کس وقت کے حوالے سے ہوگا؟ مثالوں کے ذریعے مسئلہ واضح کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وصیتوں کا بیان

ںیت کا لغوی اور اصطلاحی معنی

لفظ وصیت اسم مصدر ہے اور اب موصٰی بہ کو بھی وصیت کہا جاتا ہے۔ ریت کی اصطلاح میں وصیت کا مفہوم اس طرح ہے **تملیک مضاف الی مابعد الموت بطریق التبرع** "یعنی کسی شخص کا دوسرے آدمی کو اپنی کسی چیز کا بلامعاوضہ موت کے بعد کے لئے مالک بنانا۔"

ثبوت وصیت اور اس کا شرعی حکم

وصیت، قرآن پاک، سرکار دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نت مبارکہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے **من بعد وصیة یوصٰی بہا او دین** "اس وصیت کے بعد جو فوت ہونے والا کر جائے یا ادائگی قرض کے بعد" (وراثت تقسیم ہوگی) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ **ان اللہ تصدق علیکم بثلث اموالکم فی آخر اعمارکم زیادة لکم فی اعمالکم تضعونہا حیث شئتم او قال حیث احببتم** اللہ تعالی نے تمہاری عمر کے آخری حصے میں تمہارے مال کا تہائی حصہ تم پر صدقہ کیا ہے تاکہ تمہارے (نیک) اعمال میں اضافہ

ہو تم جہاں چاہو اسے خرچ کرو۔

وصیت کے جواز (بلکہ مستحب ہونے) پر امت کا اجماع ہے۔ بنابریں وصیت اگرچہ واجب نہیں لیکن مستحب ہے۔ البتہ وصیت قیاس کے خلاف ہے کیونکہ اس میں کسی کو اس حالت میں مالک بنایا جاتا ہے جب خود موصی کی اپنی ملکیت زائل ہو جاتی ہے۔ حالانکہ ملکیت حاصل ہونے کی صورت میں اگر یوں کہے کہ میں نے تم کو کل (آنے والے دن میں) مالک بنایا تو یہ وصیت باطل ہوتی ہے جبکہ یہاں تو مرنے کے ساتھ ملک زائل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس صورت میں وصیت کرنا بدرجہ اولیٰ جائز نہ ہو گا۔

لیکن چونکہ انسان دنیا میں اعمال صالحہ کی بجا آوری میں کوتاہی کرتا ہے اور طویل عمر کے دھوکے میں رہتا ہے لہٰذا جب موت کا وقت قریب آتا ہے تو اسے اس کوتاہی کا احساس ہوتا ہے اور اس کی تلافی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ لہٰذا اس حاجت کے پیش نظر اس کے مرنے کے بعد بھی مال متروکہ کے تہائی حصے میں اس کی ملکیت کو باقی رکھا گیا ہے۔

مقدار وصیت

وصیت' صرف مال کے تہائی حصے میں ہو سکتی ہے اس سے زائد کی وصیت ناجائز ہے کیونکہ جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میری ایک بیٹی ہے اور مال بہت زیادہ ہے تو کیا میں دو تہائی مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دوں؟ آپ نے منع فرمایا۔ نصف کے بارے میں سوال کیا تو بھی منع فرمایا۔ جب تہائی کے بارے میں پوچھا تو آپ نے اجازت دے دی لیکن ساتھ ہی فرمایا کہ تہائی بھی زیادہ ہے۔ معلوم ہوا کہ کل مال کے تہائی یا اس سے کم میں وصیت ہو سکتی ہے۔ نیز جب کوئی شخص مرجاتا ہے تو

اس کا مال' ورثاء کا ہو جاتا ہے لیکن شریعت نے تیسرے حصے کو دوسروں پر خرچ کرنے کی اجازت دی ہے۔ اب اگر تہائی سے زیادہ خرچ کرتا ہے تو وہ ورثاء کے حق میں تصرف کر رہا ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "وصیت میں اضافہ کبیرہ گناہوں میں سے بھی بڑا گناہ ہے" محدثین کرام نے اس سے تہائی سے زیادہ مال کی وصیت مراد لی ہے۔ البتہ اگر ورثاء کی طرف سے ممانعت نہ ہو اور ان میں کوئی وارث نابالغ بھی نہ ہو تو وہ موصی کے فوت ہونے کے بعد تہائی سے زیادہ کی اجازت دے سکتے ہیں کیونکہ اب مال متروکہ ان لوگوں کی ملکیت ہے لہٰذا وہ اپنے مال میں سے جتنا چاہیں کسی کو دے سکتے ہیں۔

مستحب وصیت

تہائی سے کم مال کی وصیت کرنا مستحب ہے چاہے ورثاء امیر ہوں یا نادار' کیونکہ کم مال کی وصیت میں رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی پائی جاتی ہے جبکہ تہائی مال میں تو میت نے اپنا پورا حق لے لیا۔ نیز اگر ورثاء نادار ہوں تو تہائی سے کم کی وصیت بھی نہ کرنا اولیٰ ہے کیونکہ یہ رشتہ داروں پر صدقہ ہے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قریبی رشتہ دار دشمن پر صدقہ کرنا افضل ہے اور اگر ورثاء مالدار ہوں تو وصیت کرنا اولیٰ ہے کیونکہ وصیت اجنبی پر صدقہ کرنا ہے اور رشتہ دار کے لئے اس صورت میں یہ مال محض ہبہ ہے اور چونکہ صدقہ سے رضائے خداوندی حاصل کی جاتی ہے لہٰذا وصیت کرنا اولیٰ ہے۔

قاتل کے لئے وصیت کا حکم

اگر ایک شخص کسی دوسرے آدمی کو زخمی کر دے اور وہ اس کے لئے وصیت کرے پھر وہ موصی اسی زخم سے مرجائے تو یہ وصیت باطل ہو جائے گی

اس پر عمل نہیں ہو گا کیونکہ سرکار دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا **لاوصیة للقاتل** قاتل کے لئے وصیت نہیں۔ البتہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک اس وصیت پر عمل ہو گا کیونکہ یہ محض اجنبی ہے یعنی وارث نہیں ہے لہٰذا محروم نہیں ہو گا۔

اور اگر میت کے ورثاء اجازت دیں تو اس صورت میں حضرت امام ابویوسف رحمتہ اللہ علیہ اور طرفین کے درمیان اختلاف ہے۔ حضرت امام ابویوسف رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک ایسا کرنا صحیح نہیں کیونکہ اس کا جرم نفاذ وصیت میں رکاوٹ تھا اور وہ جرم باقی ہے۔

طرفین کے نزدیک اس صورت میں وصیت نافذ ہو جائے گی کیونکہ رکاوٹ ورثاء کے حق کے طور پر تھی اس لئے کہ وصیت کے بطلان سے انہی کو فائدہ پہنچ رہا تھا اور جب وہ اجازت دے دیں تو رکاوٹ ختم ہو جائے گی۔

ورثاء کے لئے وصیت کا حکم

جو لوگ میت کے ترکہ میں وارث ہیں ان کے لئے وصیت جائز نہیں کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا **ان اللہ اعطی کل ذی حق حقہ الا لاوصیة لوارث** "بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا سنو ! وارث کے لئے وصیت نہیں۔"

دوسری بات یہ ہے کہ اگر اس وصیت کو جائز قرار دیا جائے تو بعض ورثاء کو دوسرے وارثوں پر ترجیح حاصل ہو جائے گی اور یہ بات صلہ رحمی کے خلاف ہے۔ البتہ دوسرے ورثاء کی اجازت سے ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ رکاوٹ ان کے حق کی وجہ سے تھی اور اگر بعض ورثاء اجازت دیں تو ان کے حصے کے حساب سے وصیت جائز ہو گی۔

مسلمان اور ذمی کافر کی ایک دوسرے کیلئے وصیت

اگر کوئی مسلمان کسی کافر کے لئے وصیت کرے یا اس کے برعکس صورت ہو تو دونوں طرح یہ وصیت جائز ہے۔ ارشاد خداوندی ہے کہ **لاینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم و تقسطوا الیھم** "اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں سے نہیں روکتا جو تم سے نہیں لڑے اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا کہ تم ان سے نیکی کرو اور انصاف کے ساتھ پیش آؤ۔"

علاوہ ازیں وہ ذمی ہونے کی وجہ سے معاملات میں مسلمانوں کی طرح قرار پاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی میں مسلمان اور کافر تحائف اور ہبہ کا باہم تبادلہ کر سکتے ہیں تو اسی طرح موت کے بعد بھی جائز ہو گا۔

جامع الصغیر میں ہے کہ حربی کافر کے لئے وصیت نہیں کرنی چاہئے البتہ سیر کبیر میں جواز کا قول کیا گیا ہے۔ فقہاء کرام نے اس کا مطلب یوں بیان کیا ہے کہ ایسا کرنا نہیں چاہئے لیکن اگر یہ وصیت کر دی تو جائز ہو گی۔

قبول وصیت اور حصول ملک

چونکہ وصیت کا حکم موصی کے مرنے کے بعد ثابت ہوتا ہے لہٰذا موصی لہ کا موصی کی زندگی میں اسے قبول یا رد کرنا غیر معتبر ہے اور نہ ہی وہ اس کے قبول کرنے سے مالک بنتا ہے۔

حضرت امام زفر رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک نیز حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے ایک قول کے مطابق وصیت کی ملکیت کے لئے قبولیت شرط نہیں ہے جس طرح وارث، میراث کو قبول کرے یا نہ، دونوں صورتوں میں وارث بن جاتا

ہے۔ اسی طرح موصی لہ بھی محض وصیت سے اس کا مالک بن جاتا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کی طرف سے ان کو یوں جواب دیا گیا کہ وصیت کی ملکیت خلافت کے طور پر حاصل نہیں ہوتی بلکہ یہ ملک جدید ہے یہی وجہ ہے کہ اگر موصی نے کوئی چیز خریدی اور پھر اس کی وصیت کر دی اس کے بعد موصی لہ اس میں کسی عیب پر مطلع ہو گیا تو اسے خیار عیب حاصل نہیں ہو گا اور نہ ہی وہ اس وجہ سے اسے بائع کی طرف لوٹا سکتا ہے۔

اور کوئی بھی شخص اپنی ملک کو دوسرے کے لئے اسی صورت میں ثابت کر سکتا ہے جب وہ دوسرا شخص اسے قبول کرے لہٰذا یہ قبولیت ضروری ہے۔ جہاں تک وراثت کا تعلق ہے تو وہ بطور خلافت حاصل ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ عیب کی وجہ سے وارث بائع کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔ مثلاً زید نے کوئی چیز خریدی پھر وہ مر گیا اب اس میں عیب پر اطلاع ہو گئی تو زید کا وارث عیب کی وجہ سے اس چیز کو بیچنے والے کی طرف لوٹا سکتا ہے۔ نیز وارث کے لئے یہ ملک شریعت کی طرف سے ثابت ہوتی ہے لہٰذا اس کا قبول کرنا شرط نہیں ہے۔ بنابریں وصیت کو وراثت پر قیاس نہیں کر سکتے۔

استثنائی صورت

اگر موصی کے مرنے کے بعد قبولیت سے پہلے پہلے موصیٰ لہ بھی مر جائے تو اس صورت میں اس کے وارث اس چیز کے مالک ہوں گے۔ قیاس کا تقاضا تو یہی ہے کہ موصی لہ کے قبول کرنے کے بغیر اس کے ورثاء بھی اس کے مالک نہ بنیں۔ لیکن استحساناً ان کو مالک قرار دیا جاتا ہے کیونکہ موصی کے مرنے سے وصیت مکمل ہو گئی اب اسے فسخ نہیں کیا جا سکتا اب وہ موصی لہ کا حق ہے اور جب موصی لہ مر گیا تو یہ چیز اس کی ملک میں داخل ہو گئی جس طرح وہ مبیع جس

مشتری کے لئے خیار شرط ہو اگر مشتری اجازت دینے سے پہلے مر جائے تو بیع مکمل ہو جاتی ہے۔

مقروض، بچے اور مکاتب کی وصیت

اگر کسی شخص پر اتنا قرض ہو جو اس کے تمام مال کو گھیرتا ہو تو اس کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں کیونکہ قرض کی ادائیگی فرض ہے اور وصیت مستحب .... لہٰذا قرض کی ادائیگی مقدم ہو گی البتہ قرض خواہ اسے بری الذمہ قرار دے دیں تو وصیت کر سکتا ہے۔

احناف کے نزدیک بچے کی وصیت بھی صحیح نہیں جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر اچھے مقاصد کے لئے ہو تو صحیح ہے کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت یفاع (یا حضرت یافع) کی وصیت کو جائز قرار دیا تھا حالانکہ وہ بالغ نہ تھے بلکہ قریب البلوغ تھے۔ نیز وہ بھی قرب خداوندی حاصل کر سکتا ہے لہٰذا اسے وصیت کی اجازت دینے میں اس پر شفقت ہے۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ وصیت تبرع ہے اور بچہ اس کا اہل نہیں۔ اس لئے اس کا قول کسی بات کو لازم نہیں کر سکتا اور وصیت کی صورت میں لازم آئے اگر اس کے قول سے بھی کوئی چیز لازم ہو سکتی ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے پیش کردہ حدیث کا مطلب ہے کہ وہ لڑکا قریب البلوغ تھا لہٰذا اسے مجازاً بالغ قرار دیا گیا نیز اس کی وصیت تجہیز و تکفین اور قرض سے متعلق تھی اور ایسی وصیت ہمارے نزدیک بھی جائز ہے۔

نیز وصیت کو ترک کرنے کی صورت میں ورثاء کو نفع پہنچانے کی وجہ سے ثواب حاصل کرتا ہے اور تصرفات میں اسی بات کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ علاوہ

ازیں بچے کی وصیت کو اس کی طلاق پر قیاس کیا جاتا ہے کہ جس طرح وہ طلاق دینے کا اختیار نہیں رکھتا اسی طرح وصیت بھی نہیں کر سکتا۔ مکاتب کے پاس اگرچہ مال ہو لیکن چونکہ اس کا مال تبرع میں صرف نہیں ہو سکتا لہٰذا اس کی وصیت بھی صحیح نہیں ہوتی۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک مکاتب کی وصیت صحیح نہیں لیکن **صاحبین** کے نزدیک صحیح ہے۔

وصیت سے رجوع اور انکار

چونکہ وصیت تبرع ہے لہٰذا موصی کو رجوع کا حق ہے نیز وصیت کا قبول کرنا موصی کی وفات تک موخر ہوتا ہے اور قبولیت سے پہلے ایجاب کو باطل کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا ایسا کرنا صحیح ہے۔

رجوع کے مختلف طریقے ہیں۔ صریح الفاظ کے ساتھ ہو مثلاً **رجعت عما اوصیت به فلانا** کے یا کسی ایسے فعل کے ذریعے رجوع کرے جو اس پر دلالت کرتا ہو۔ مثلاً زمین کے کسی ٹکڑے کی وصیت کی اور اب اس میں خود تعمیر شروع کر دی۔

اس سلسلے میں ضابطہ یہ ہے کہ ایسا فعل جو کسی دوسرے کی ملکیت میں کیا جائے اور اس سے اس شخص کی ملک زائل ہو جائے تو موصی کے ایسے عمل سے رجوع ثابت ہو گا۔ اسی طرح ایسا عمل جو موصی بہ میں اضافہ کر دے اور عین موصی بہ کا سونپنا ممکن نہ رہے تو ایسے عمل سے بھی رجوع ثابت ہو گا۔

موصی کے انکار کو رجوع قرار دیا جائے گا یا نہیں؟

حضرت امام محمد رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک یہ رجوع نہیں ہے وہ فرماتے ہیں انکار کا مطلب ماضی میں اس کی نفی کرنا ہے اور ماضی کی نفی حال میں نفی کی

متقاضی ہے اور چونکہ فی الحال وہ ثابت ہے لہٰذا اس کا انکار لغو ہو جائے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ رجوع کا مطلب یہ ہے کہ ماضی میں وصیت ثابت تھی حال میں اس کی نفی ہو رہی ہے جبکہ انکار کا مطلب ماضی اور حال دونوں میں نفی کرنا ہے پس حقیقتاً رجوع نہ ہوا۔

حضرت امام ابویوسف رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک موصی کا انکار وصیت رجوع ہے کیونکہ رجوع کا مطلب حال میں اس کی نفی کرنا ہے جبکہ انکار کا تعلق ماضی اور حال دونوں میں نفی کے ساتھ ہے لہٰذا یہ بدرجہ اولیٰ رجوع قرار پائے گا۔

اگر موصی یوں کہے کہ میں نے فلاں کے لئے جو وصیت کی ہے وہ حرام یا سود ہے تو یہ رجوع نہ ہو گا البتہ لفظ باطل استعمال کرے تو رجوع شمار ہو گا۔ اگر کہے میں نے اسے موخر کیا تو یہ بھی رجوع نہیں۔ البتہ "میں نے چھوڑ دیا" کے الفاظ سے رجوع ثابت ہو گا۔

وصیت کی چند صورتیں

اگر ایک آدمی یا چند اشخاص کے لئے تہائی مال کی وصیت کی بجائے دیگر صورتوں میں وصیت کی جائے تو اس کا حکم کیا ہو گا؟ اس سلسلے میں درج ذیل تفصیل ہے۔

۱۔ دو آدمیوں کے لئے تہائی تہائی کی وصیت کی جائے ورثاء ایک تہائی سے زائد کی اجازت نہ دیں تو ایک تہائی کو دونوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

۲۔ ایک شخص کے لئے ایک تہائی اور دوسرے کے لئے چھٹے حصے کی وصیت کی جائے تو ایک تہائی دونوں میں یوں تقسیم ہو گی کہ اس کے تین حصے کر کے اس کی دو تہائی ایک تہائی والے کو اور بقیہ ایک تہائی چھٹے حصے والے کو دی جائے گی۔

۳۔ اگر ایک شخص کے لئے کل متروکہ مال کی اور دوسرے کے لئے کل مال

کے تہائی حصے کی وصیت کی جائے اور ورثاء زائد کی اجازت بھی نہ دیں تو اس سلسلے میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ صاحبین کے نزدیک تہائی مال کے چار حصے کر کے تہائی والے کو اس کا ایک تہائی اور کل مال کی وصیت والے کو باقی تین حصے دیئے جائیں۔

جبکہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک کل مال کے تہائی حصے کو دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم کر دیا جائے۔ امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک جس شخص کے لئے تہائی سے زیادہ کی وصیت کی جائے اسے محابات، سعایت اور دراہم مرسلہ کے علاوہ کسی صورت میں تہائی سے زیادہ نہیں ملے گا۔

۔ (محاباۃ کا لغوی معنی کسی پر شفقت اور مہربانی کرنا ہے یہاں اس کی صورت یہ ہے کہ کسی آدمی کے دو غلام ہوں اب کسی کو فائدہ پہنچانا چاہتا ہے۔ ایک غلام کی قیمت گیارہ سو درہم ہے اور دوسرے کی چھ سو درہم اس نے وصیت کی کہ ایک غلام فلاں پر ایک سو درہم پر اور دوسرا غلام فلاں پر ایک سو روپیہ میں بیچ دیا جائے تو اسی طرح ایک کو ایک ہزار درہم کا اور دوسرے کو پانچ سو درہموں کا فائدہ پہنچ گیا۔

سعایۃ کا معنی محنت مشقت کر کے مال کمانا ہے۔ یہاں اس کی صورت یہ ہے کہ کسی ایک شخص کے دو غلام ہوں اور ان کے علاوہ اس کے پاس کوئی مال نہ ہو اب وہ انہیں آزاد کرنے کی وصیت کرے ایک کی قیمت ایک ہزار اور دوسرے کی دو ہزار ہے اگر ورثاء اجازت نہ دیں تو وہ ایک تہائی سے آزاد ہوں گے اور باقی رقم یعنی دو ہزار کما کر ورثاء کو دیں گے۔ اس کا طریقہ یہ ہو گا کہ ایک ہزار قیمت والا ایک ہزار تین سو تینتیس (۱۳۳۳) روپے اور دو ہزار قیمت والا چھ صد، چھیاسٹھ روپے ادا کرے گا۔

دراہم مرسلہ کا معنی دراہم مطلقہ ہے اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص ایک آدمی کے لئے دو ہزار کی اور دوسرے کے لئے ایک ہزار کی وصیت کرے اور اس کا تہائی مال ایک ہزار روپیہ ہو ورثاء اجازت نہ دیں تو ایک ہزار کے تین حصے کر کے دو ہزار والے کو اس کا دو تہائی اور ایک ہزار کی وصیت والے کو ایک تہائی دیا جائے گا۔ (حاشیہ ہدایہ) ۱۲ ہزاروی

۴۔ اگر اپنے بیٹے کے حصے کی وصیت کی جائے تو یہ وصیت باطل ہے کیونکہ یہ مال غیر کی وصیت ہے۔ اگر بیٹے کے حصے کے مثل کی وصیت کی جائے تو جائز ہے حضرت امام زفر رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک پہلی صورت بھی جائز ہے۔

۵۔ اگر کسی حصہ وراثت کے مطابق وصیت کی جائے تو ورثاء کے سب سے کم حصے کی مقدار میں وصیت ہو گی اور اگر وہ حصہ کل مال کے چھٹے حصے سے کم ہو تو چھٹا حصہ پورا کیا جائے گا۔

۶۔ اگر اپنے مال کے کسی جزء کی وصیت کی تو ورثاء سے کہا جائے گا کہ تم جس قدر چاہو دے دو کیونکہ اب یہی لوگ موصی کے قائم مقام ہیں لہٰذا بیان ان کے ذمہ ہے۔

۷۔ کسی کے لئے اپنے مال کے چھٹے حصے کی وصیت کی پھر اس مجلس میں یا دوسری مجلس میں کہا کہ اس کے لئے مال کا تہائی ہے اب اگر ورثاء اجازت دیں تو موصی لہ کے لئے تہائی حصہ مال ہو گا اور چھٹا حصہ بھی اسی میں داخل ہو جائے گا۔

۸۔ اگر کہا کہ میرے مال کا چھٹا حصہ فلاں کے لئے ہے پھر اسی مجلس یا دوسری مجلس میں کہا کہ تہائی مال اس کے لئے ہے اور ورثاء نے اجازت بھی دے دی تو اس کے لئے کل مال کا تہائی حصہ ہو گا اور چھٹا حصہ اسی میں داخل ہو گا۔

۹۔ اگر کسی شخص کے لئے دو بار چھٹے حصے کی وصیت کی تو صرف چھٹا حصہ ہو گا۔

۱۰۔ کسی شخص نے اپنے دراہم کی تہائی اور بکریوں کی تہائی کی وصیت کی اب دراہم یا بکریوں کا دو تہائی حصہ ہلاک ہو گیا اور ایک تہائی باقی رہ گیا اگر یہ تہائی باقی ماندہ مال کا تیسرا حصہ بنتا ہے تو جتنا مال باقی بچا ہے وہ موصی لہ کے لئے ہو گا۔ حضرت امام زفر رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک باقی بچنے والے مال کا تہائی حصہ وصیت میں دیا جائے گا۔

۱۱۔ اگر کل کپڑوں کے تہائی حصہ کی وصیت کی اب دو تہائی کپڑا ہلاک ہو گیا اور یہ باقی مال کا تہائی بنتا ہے تو باقی بچنے والے کپڑوں کے تہائی کا حقدار ہو گا۔ بشرطیکہ کپڑوں کی جنس مختلف ہو اگر ایک جنس کے ہوں تو دراہم والا حکم ہو گا۔

۱۲۔ اگر کسی کے لئے ایک ہزار درہم کی وصیت کی اور اس موصی کے پاس نقدی بھی ہے اور کسی دوسرے پر قرض بھی تو اگر نقد مال کی تہائی سے ایک ہزار پورے ہو جاتے ہیں تو وہ موصی لہ کو دیئے جائیں۔

۱۳۔ اگر زید اور عمرو دونوں کے لئے تہائی مال کی وصیت کی اب معلوم ہوا کہ عمرو فوت ہو چکا ہے تو تمام تہائی زید کے لئے ہو گی۔

۱۴۔ اگر تہائی مال کی وصیت کی جائے اور موصی کے پاس کچھ بھی نہ ہو اب وہ مال کمائے تو مرتے وقت جو کچھ اس کی ملک میں ہو گا موصی لہ اس کے تہائی کا مستحق ہو گا۔

حالت وصیت

اگر موصی حالت مرض میں کسی شخص کے لئے قرض کا اقرار کرے یا اس کے لئے وصیت کرے یا ہبہ کرے پھر وہ موصی لہ اس کا وارث بن جائے تو یہ

ار صحیح ہو گا البتہ وصیت اور ہبہ باطل ہو جائے گا۔ مثلاً مریض نے کسی عورت
لئے قرض کا اقرار کیا یا وصیت کی یا ہبہ کیا پھر اس سے نکاح کر لیا اس کے بعد
کیا تو اقرار صحیح ہو گا لیکن وصیت باطل ہو جائے گی اور وہ عورت وراثت سے
جائے گی۔

اسی طرح اگر کسی شخص کا بیٹا عیسائی ہو اور باپ حالت مرض میں اس کے
لئے قرض کا اقرار کرے یا اس کے لئے ہبہ کرے یا وصیت کرے پھر وہ باپ کے
رنے سے پہلے مسلمان ہو جائے تو یہ تمام چیزیں باطل ہو جائیں گی۔ وصیت اور
ہبہ اس لئے کہ اس کے مرتے وقت وہ لڑکا وراثت حاصل کر رہا ہے اور قرض کا
اقرار اس لئے باطل ہو گا کہ اقرار کے وقت وراثت کا سبب یعنی اس کا بیٹا ہونا
موجود تھا اور قرض کے اقرار کی وجہ سے اس پر بیٹے کو باقی ورثاء پر ترجیح دینے کی
نوبت آ جائے گی۔

پورا مال ہبہ کرنا

اگر کوئی شخص ایسی بیماری میں مبتلا ہو جو طوالت اختیار کرے اور اس بیماری
کے باعث مرنے کا ڈر نہ ہو تو وہ اپنا تمام مال ہبہ کر سکتا ہے۔ مثلاً وہ شل ہے یا
فالج کا شکار ہے۔ اگر اس بیماری میں مبتلا ہوتے وقت ہبہ کرے اور اس بیماری سے
مر گیا تو ہبہ تہائی حصہ سے معتبر ہو گا یا وہ صاحب فراش ہو گیا تو بھی یہی حکم ہے
کیونکہ اس صورت میں موت کا خوف ہے۔

حقوق اللہ کی وصیت

اگر کسی نے حقوق اللہ مثلاً حج' زکوۃ اور کفارات کی وصیت کی تو ان میں
سے جو فرض ہیں ان کو مقدم کیا جائے اگرچہ موصی نے ترتیب کا خیال نہ کیا ہو
کیونکہ نوافل کے مقابلے میں فرائض کی زیادہ اہمیت ہے اور اگر وہ قوت میں برابر

ہیں تو موصی نے جسے مقدم کیا اسے مقدم رکھا جائے اور یہ اس صورت میں ہو گا جب مال کے تہائی حصہ سے ان تمام وصیتوں کو پورا نہ کیا جاسکے۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ حج سے زکوٰۃ کو مقدم کیا جائے۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے کہ حج کو مقدم کیا جائے۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے کہ زکوٰۃ کو مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے بندوں کا بھی تعلق ہے۔ حج کو مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں جان اور مال دونوں کو استعمال کیا جاتا ہے جب کہ زکوٰۃ صرف مال سے ادا کی جاتی ہے۔ لہذا حج اولیٰ ہے البتہ ان دونوں کو کفاروں سے مقدم رکھا جائے۔

اسی طرح قتل خطاء ظہار اور قسم کے کفارے کو صدقہ فطر پر مقدم کیا جائے کیونکہ ان کا موجب قرآن سے ثابت ہے جبکہ صدقہ فطر کا وجوب حدیث سے ثابت ہے۔ صدقہ فطر قربانی پر مقدم ہے کیونکہ اس کے وجوب پر اتفاق ہے جبکہ قربانی کے وجوب میں اختلاف ہے۔ اسی طرح بعض واجبات دوسرے بعض پر مقدم کئے جائیں۔

موصی لہ کا تعین

اگر پڑوسی کے لئے وصیت کی جائے تو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس سے مراد جار ملاصق ہے۔ یعنی جس کا مکان اس کے مکان سے ملا ہوا ہو جبکہ صاحبین کے نزدیک موصی کے محلے میں رہنے والے جو ایک مسجد سے متعلق ہوں سب اس میں شامل ہیں۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول قیاس کے مطابق ہے کیونکہ جار' مجاورت سے بنا ہے اور حقیقتاً وہ ملاصق (ملا ہوا) ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس بنیاد پر شفعہ کا مستحق ہوتا ہے۔ نیز جب تمام لوگوں کو

وصیت میں شریک نہیں کیا جاسکتا ہے تو وصیت کو اخص الخصوص کی طرف پھیرا جائے گا۔ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ عرف میں ان سب کو پڑوسی کہا جاتا ہے اور اس بات کو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے بھی تائید حاصل ہے کہ مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد کے علاوہ جائز نہیں ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس مکانات کو پڑوس قرار دیا یہ مفہوم قبولیت سے بعید ہے اور اس سلسلے میں ان کی پیش کردہ حدیث ضعیف ہے۔

اگر کوئی شخص اپنے سسرال کے لئے وصیت کرے تو عورت کے ذی رحم محرم مراد ہوں گے کیونکہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا تو ان کے اعزاز کے طور پر ان کے تمام ذی رحم محرم رشتہ داروں کو آزاد کر دیا اور یہ تمام لوگ آپ کے سسرال کہلاتے تھے۔

اور یہ لوگ ایسی صورت میں وصیت کے مستحق ہوں گے جب موصی کی وفات کے وقت وہ عورت اس کے نکاح میں ہو یا طلاق رجعی کی عدت گزار رہی ہو۔ اگر دامادوں کے لئے وصیت کی جائے تو ہر اس عورت کا خاوند اس میں شامل ہو گا جو موصی کی ذی رحم محرم ہے۔

اگر اقارب کے لئے وصیت کی جائے تو ذی رحم محرم رشتہ داروں میں سے حسب قرابت مراد ہوں گے اور اس میں والدین اور اولاد داخل نہیں ہوں گے۔ نیز یہ وصیت دو اور ان سے زائد کے لئے ہوگی۔ یہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک ہر وہ شخص اس میں شامل ہے جو اسلام میں اس شخص کے دور کے باپ (جداعلیٰ) کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ لیکن اس کا وہ دادا جو سب سے پہلے اسلام لایا یا اس نے اسلام کو پایا لیکن اسلام نہیں لایا اس کے بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ قریب، قرابت سے بنا ہے لہٰذا جن جن کے ساتھ قربت ہو گی وہ اس میں شامل ہوں گے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ وصیت اور میراث کا آپس میں تعلق ہے لہٰذا اقرب پھر اقرب کا اعتبار ہو گا۔

اگر اقارب کے لئے وصیت کی صورت میں موصی لہ کے چچا بھی ہوں اور ماموں بھی تو وصیت چچاؤں کے لئے ہو گی کیونکہ وراثت میں وہ اقرب ہیں۔ یہ حضرت امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک اقرب کا اعتبار نہیں لہٰذا وصیت ان سب میں برابر برابر تقسیم ہو گی۔ اگر ایک چچا اور دو ماموں ہوں تو ایک نصف چچا کے لئے اور دوسرا نصف دونوں ماموں کے لئے ہو گا۔

اگر اہل فلاں کے لئے وصیت کی تو حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک وصیت اس فلاں کی بیوی کے لئے ہو گی جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ جو لوگ اس کے زیر کفالت ہیں ان سب کے لئے ہو گی قرآن پاک میں ہے :

واتونی باھلکم اجمعین کے الفاظ آئے ہیں۔

حضرت امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اہل کا لفظ حقیقتاً بیوی پر بولا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے **وسار باھله** اور اہل عرب کہتے ہیں **تاھل ببلدة کذا** اور مطلق کو اس کی حقیقت کی طرف پھیرا جاتا ہے۔

اگر وصیت کرتے وقت آل فلاں کے الفاظ استعمال کرے تو اس سے اس فلاں کے گھر والے مراد ہوں گے کیونکہ آل وہ قبیلہ ہے جو اس کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ آل بیت میں باپ، دادا بھی داخل ہوتے ہیں۔ اہل نسب اور اہل جنس میں وہ تمام لوگ شامل ہوں گے جو باپ کی طرف سے اس کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔

کسی کی اولاد کے لئے وصیت کی جائے تو موصی لہ کے بیٹے اور بیٹیاں دونوں شامل ہوں گے۔ کسی کے ورثاء کے لئے وصیت ہو تو ان کے درمیان وصیت یوں تقسیم ہو گی کہ مرد کو عورت کے مقابلے میں دوگنا ملے گا۔

منافع کی وصیت

غلام سے خدمت لینے یا مکان میں ٹھہرنے کی وصیت کرنا صحیح ہے بشرطیکہ مدت معلوم ہو کیونکہ جس طرح آدمی زندگی میں کسی عوض کے بدلے منافع کا مالک بن سکتا ہے اسی طرح ضرورت کے تحت مرنے کے بعد بھی کسی کو اپنی کسی چیز کے منافع کا مالک بنا سکتا ہے اور وہ چیز منافع کے حق میں موصی لہ کی ملک میں رہے گی۔

جس طرح وہ شخص جس کے لئے کوئی چیز وقف کی جائے وہ موقوف چیز سے نفع حاصل کر سکتا ہے لیکن اصل ملکیت واقف کی ہوتی ہے۔ اسی طرح یہاں بھی اصل ملکیت موصی کے ورثاء کی ہو گی۔ یہ وصیت مخصوص مدت کے لئے ہو یا ہمیشہ کے لئے، دونوں طرح صحیح ہے۔ اگر موصی لہ مر جائے تو اب یہ منافع موصی کے ورثاء کی طرف لوٹائیں گے اور اگر موصی لہ موصی کی زندگی میں ہی فوت ہو جائے تو یہ وصیت باطل ہو جائے گی۔ اگر کوئی شخص کسی کے لئے اپنے باغ کے پھل کی وصیت کرے پھر وہ موصی مر جائے اور پھل موجود ہو تو موصی لہ کو صرف یہی موجود پھل ملے گا اور اگر ہمیشہ کے لئے وصیت کی تو موصی لہ کے لئے موجودہ پھل بھی ہو گا اور جب تک وہ زندہ ہے پھل حاصل کرتا رہے گا۔

اگر غلہ کی وصیت ہو تو وہ ہمیشہ کے لئے ہو گی موصی اس بات کی وضاحت کرے یا نہ، کیونکہ عرفاً" کا اطلاق موجودہ پر ہوتا ہے جب تک زائد بات نہ کی جائے جبکہ غلہ کا لفظ بولنے سے موجودہ اور آئندہ دونوں مراد ہوتے ہیں۔

ذمی کی وصیت

اگر کسی یہودی یا عیسائی (ذمی) نے اپنے گھر کو عبادت گاہ بنانے کی وصیت کی اور موصی لہ کا تعین نہیں کیا تو امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک یہ وصیت جائز ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک باطل ہے کیونکہ یہ گناہ ہے اگرچہ ان لوگوں کے نزدیک عبادت ہے اور گناہ پر مبنی امور کی وصیت باطل ہوتی ہے۔

امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کے ہاں یہ عبادت ہے اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم ان کے دینی معاملات میں مداخلت نہ کریں۔ یہی وجہ ہے کہ جو عمل حقیقتاً عبادت ہو لیکن ان لوگوں کے نزدیک گناہ ہو تو ان کے عقیدے کا اعتبار کرتے ہوئے اس کی وصیت جائز نہ ہوگی۔ امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک مسجد اور ذمی لوگوں کی عبادت گاہ میں یہ فرق ہے کہ مسجد کو خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لئے بنایا جاتا ہے اور اسی ذات کے لئے اس کی حفاظت ہوتی ہے جبکہ عیسائیوں اور یہودیوں کی عبادت گاہوں کی یہ صورت نہیں ان کے عقیدے کے مطابق تو ایسا ہے لیکن حقیقتاً ایسا نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ وہ لوگ اس میں رہائش کے لئے حجرے بناتے ہیں لہٰذا ان کی عبادت گاہ' بنانے والے کی ملک ہوتی ہے اس کے لئے اس کی وصیت جائز ہے۔

ذمی کے وصایا کی اقسام

ذمی کے وصایا چار قسم کے ہوتے ہیں :

۱۔ ان کے حق میں باعث ثواب ہے لیکن ہمارے حق میں ایسا نہیں ہے۔ جیسے مشرکین کو کھانا کھلانا۔ اس مسئلے میں اختلاف ہے۔

۲۔ ہمارے حق میں باعث ثواب و قربت ہے ان کے حق میں نہیں جیسے وہ حج

کرنے یا مسجد بنانے کی وصیت کرے تو یہ وصیت باطل ہے البتہ معین لوگوں کے لئے ہو تو صحیح ہے۔

۳۔ ہمارے اور ان (دونوں) کے حق میں قربت ہو جیسے بیت المقدس میں چراغ روشن کرنا یہ وصیت جائز ہے۔

۴۔ ایسی چیز کی وصیت کرنا جو نہ ان کے حق میں قربت ہے نہ ہمارے حق میں جیسے گانے' بجانے اور نوحہ کرنے والوں کے لئے وصیت کرنا تو یہ بھی جائز نہیں البتہ معین اشخاص کے لئے ہو تو تملیک کے طور پر صحیح ہے۔

حربی کافر کی وصیت

اگر حربی کافر ہمارے ملک میں آجائے اور مسلمان یا ذمی کے لئے کل مال کی وصیت کرے تو جائز ہے کیونکہ تہائی سے زائد کی وصیت ورثاء کے حق کی وجہ سے منع ہے۔ اب چونکہ وہ دارالحرب میں ہیں لہٰذا ہمارے نزدیک وہ مرے ہوئے لوگوں کی طرح ہیں اس لئے ان کے حق میں رعایت نہیں ہوگی اور وہ کل مال کی وصیت کر سکتا ہے۔

وصی بنانا

مرنے والے کا کسی کو اپنے مال اور دیگر امور میں تصرف کے لئے اپنا نائب بنانا' وصی بنانا کہلاتا ہے۔ اگر کسی شخص نے کسی دوسرے کو اپنے مال وغیرہ کے سلسلے میں وصی بنایا اور اس نے قبول کر لیا لیکن جب علیحدہ ہوا تو انکار کر دیا تو یہ انکار معتبر نہ ہوگا کیونکہ فوت ہونے والے نے اس پر اعتماد کیا اب وہ دنیا سے رخصت ہو گیا یا علیحدہ ہو گیا تو اس صورت میں انکار دھوکا دہی ہے۔ البتہ اس کے سامنے رد کر سکتا ہے کیونکہ اس صورت میں وہ کسی دوسرے کو وصی بنا سکتا ہے۔ اگر انکار و اقرار دونوں نہ پائے جائیں تو موصی کے مرنے کے بعد اسے اختیار ہے

کیونکہ موصی اس پر لازم کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اب اگر وہ موصی کی کسی چیز کا سودا کرتا ہے تو گویا اس نے اس ذمہ داری کو قبول کر لیا ہے۔

غلام، کافر اور فاسق کو وصی بنانا جائز نہیں اگر کسی نے ایسا کیا تو قاضی کو اختیار ہے کہ ان لوگوں کو معزول کر کے کسی دوسرے کو مقرر کرے۔ گویا وصیت صحیح ہو جائے گی لیکن چونکہ وصیت کا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا لہٰذا قاضی اسے باطل کر دے۔ حضرت امام محمد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان لوگوں کو وصی بنانا شروع ہی سے باطل ہے۔ شروع میں صحیح ہونے اور بعد میں باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اصل شفقت تو ثابت ہے لیکن چونکہ غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر عمل نہیں کر سکتا۔ کافر کو مسلمان سے دینی طور پر دشمنی ہے اور فاسق پر خیانت کی تہمت لگ سکتی ہے۔

اگر ایسے شخص کو وصی مقرر کیا جو وصیت کو قائم نہیں کر سکتا تو قاضی اس کی معاونت کے لئے کسی دوسرے آدمی کو مقرر کرے اس میں موصی اور ورثاء دونوں کے حق کا لحاظ ہو گا اور اگر قاضی کو معلوم ہو کہ وہ بالکل ہی عاجز ہے تو کسی دوسرے کو وصی مقرر کر دے۔ لیکن جب تک اس کا عجز یا بددیانتی ظاہر نہ ہو تو ورثاء کی شکایت کے باوجود اسے تبدیل نہ کرے۔

دو آدمیوں کو وصی بنانا

اگر دو آدمیوں کو وصی بنایا جائے تو طرفین کے نزدیک وہ دونوں باہمی مشورے سے تصرف کر سکتے ہیں البتہ بعض امور مثلاً میت کی تجہیز و تکفین، قرض کی ادائیگی، بچے کے لئے ضروری اشیاء کی خریداری، جلد خراب ہونے والی اشیاء کو بیچ دینا، مغصوب چیز اور امانت وغیرہ واپس کرنے میں وہ ایک دوسرے کو بتائے بغیر تصرف کر سکتے ہیں۔ البتہ امام ابویوسف رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک ہر چیز میں

انفرادی طور پر تصرف کر سکتے ہیں کیونکہ کسی کو وصی بنانا دراصل اسے ولایت سونپنا ہے اور یہ وصف شرعی ہے اس میں تقسیم نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ہر ایک کو کامل طور پر حاصل ہو گی جبکہ طرفین فرماتے ہیں کہ ولایت کسی کو اختیار تفویض کرنے سے ثابت ہوتی ہے لہٰذا وصف تفویض کی رعایت کی جائے گی اور یہ وصف اجتماع ہے کیونکہ یہ ایسی شرط ہے جو مفید ہے اور موصی بھی دو ہی پر راضی ہوا اور ظاہر بات ہے کہ ایک شخص، دو کی طرح نہیں ہو سکتا۔

مقاسمہ

اگر کوئی شخص کسی کو وصی بناتا ہے اور کسی دوسرے کے لئے تہائی مال کی وصیت کرتا ہے اب میت کے ورثاء موجود نہیں تو یہ وصی مال کو تقسیم کر کے موصی لہ کو تہائی حصہ دے سکتا ہے کیونکہ یہ میت کا نائب ہے اور ورثاء بھی نائب ہیں لہٰذا ان کی طرف سے تقسیم کر سکتا ہے البتہ موصی لہ غائب ہو تو ایسا نہیں کر سکتا اگر ایسا کر کے موصی لہ کا حصہ اپنے پاس رکھا پھر وہ ضائع ہو گیا تو موصی لہ اپنے تہائی حصہ کے لئے ورثاء کی طرف رجوع کرے کیونکہ تقسیم اس پر نافذ نہ ہو گی۔

وصی کا سودا کرنا

وصی اتنی قیمت پر خرید و فروخت کر سکتا ہے جو لوگوں میں مروج ہو زیادہ قیمت نہیں دے سکتا کیونکہ ورثاء پر شفقت کے لئے بالغ وارث کی عدم موجودگی میں وصی ہر چیز بیچ سکتا ہے البتہ زمین نہیں بیچ سکتا کیونکہ وارث کا باپ بھی زمین کے علاوہ اس کی ہر چیز پر ولایت رکھتا تھا تو وصی چونکہ اس کا نائب ہے لہٰذا اس کے لئے بھی یہی حکم ہے۔

وصی اس مال میں تجارت نہیں کر سکتا کیونکہ یہ مال اسے حفاظت کے لئے

دیا گیا ہے تجارت کے لئے نہیں۔ چھوٹے بچے کے مال کی حفاظت کے سلسلے میں دادا کی نسبت وصی کا حق زیادہ ہے البتہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک دادا کا حق زیادہ ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ وصی بنانے سے باپ کی ولایت وصی کی طرف منتقل ہو گئی لہٰذا معنوی طور پر باپ کی ولایت قائم ہے۔

شہادت

اگر دو وصی گواہی دیں کہ فلاں شخص کو بھی ان کے ساتھ وصی مقرر کیا گیا ہے تو یہ شہادت باطل ہو گی کیونکہ اس صورت میں ان پر تہمت آئے گی کہ وہ معاون کے طور پر اسے اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں البتہ مشہود لہ تصدیق کر دے تو استحساناً صحیح ہو گا کیونکہ جب قاضی کو وصی مقرر کرنے کی ولایت حاصل ہے تو اسے ان دونوں کے ساتھ تیسرا آدمی بلانے کا حق بھی حاصل ہے بشرطیکہ وہ راضی ہو۔ اس طرح اگر میت کے دو بیٹے کسی آدمی کے بارے میں کہیں کہ وہ وصی ہے اگر وہ شخص انکار کر دے تو یہ دعویٰ باطل ہو گا۔ اگر وصی میت کے مال میں چھوٹے یا بڑے وارث کے لئے کسی خاص حصے کی گواہی دے تو یہ باطل ہے البتہ کسی دوسرے کے مال میں یہ گواہی قبول ہو سکتی ہے۔

صاحبین فرماتے ہیں بڑے وارث کے حق میں دونوں صورتوں میں گواہی جائز ہے کیونکہ یہ دونوں وصی کے مال متروکہ میں تصرف کا حق نہیں رکھتے لہٰذا تہمت نہیں آئے گی۔ امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں چونکہ ان لوگوں کو ولایت حفظ حاصل ہے اور وارث کی عدم موجودگی میں کسی منقول چیز کو فروخت کرنے کی ولایت بھی ان کو حاصل ہے لہٰذا تہمت آئے گی۔ البتہ ترکہ کے علاوہ میں یہ بات نہیں کیونکہ اس میں جب باپ کو ولایت حاصل نہیں تو وصی کو بھی یہ ولایت حاصل نہ ہو گی۔

اگر دو آدمیوں نے گواہی دی کہ میت نے فلاں دو آدمیوں کا قرض دینا ہے اور ان دونوں نے پہلے دونوں کے حق میں اسی قسم کی گواہی دی تو ان کی گواہی جائز ہو گی۔ یعنی ان سب پر قرض ثابت ہو جائے گا لیکن ان دونوں کی ایک دوسرے کے حق میں گواہی قبول نہ ہو گی۔ یہ حضرت امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے جبکہ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اس طرح قرض بھی ثابت نہ ہو گا۔

قرض کے سلسلے میں گواہی کی قبولیت کی وجہ یہ ہے کہ قرض کسی کے ذمہ ثابت ہوتا ہے اور اس میں شرکت نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی اجنبی دو مقروض آدمیوں میں سے ایک کا قرض ادا کر دے تو دوسرے کے لئے اس ادائیگی میں شرکت کا حق نہیں ہو گا۔ لہٰذا قرض تو ثابت ہو گیا اور چونکہ کسی کے فوت ہونے کے بعد قرض کی ادائیگی اس کے ترکہ سے متعلق ہو جاتی ہے لہٰذا اب ایک دوسرے کے حق میں گواہی تہمت بنے گی۔ ہاں اس شخص کی زندگی میں قرض اس کے ذمہ ہوتا مال سے متعلق نہ ہوتا لہٰذا شرکت متحقق نہ ہوئی۔

واللہ اعلم بالصواب

سوالات

۱۔ وصیت کی ضرورت، شرعی حکم اور مقدار کا ذکر کریں اور قرآن و سنت سے ثبوت پیش کریں کہ کن کن لوگوں کے لئے وصیت نہیں ہو سکتی اور کیوں؟

۲۔ کتنے مال کی وصیت مستحب ہے، مقروض کی وصیت کا حکم کیا ہے اور موصی لہ کو ملکیت کب حاصل ہوتی ہے؟

۳۔ بچے اور مکاتب کی وصیت صحیح ہے یا نہیں اگر نہیں تو کیوں؟

۴ - وصیت میں استثناء کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں۔ نیز وصیت سے رجوع کے سلسلے میں شرعی حکم کی وضاحت کریں۔

۵ - ایک سے زائد اشخاص کے لئے ثلث ثلث کی وصیت کی جائے یا بعض کے لئے کل مال کی وصیت کرے اور بعض کے لئے کم کی تو ان صورتوں میں کیا عمل اختیار کیا جائے گا۔

۶ - اپنے مال کے کسی حصے (سہم) یا جزء کی وصیت کی جائے تو اس کا حل کیا ہوگا؟

۷ - وصیت میں حالت وصیت کا اعتبار ہوتا ہے اس مسئلے کو مثالوں کے ذریعے واضح کریں۔

۸ - مرض الموت میں غلام کو آزاد کرنا یا محابات کرنا، بیچنا یا ہبہ کرنا کیسا ہے اور اس پر عمل در آمد کی صورت کیا ہو گی؟

۹ - پڑوسی، سسرال، دامادوں اور اقارب کے لئے وصیت میں کون کون لوگ داخل ہوں گے۔

۱۰ - اہل فلاں اور آل فلاں کے لئے وصیت میں کون کون لوگ داخل ہوں گے اس طرح ولد فلاں کی وصیت کن کن لوگوں کو شامل ہو گی؟

۱۱ - غلام سے خدمت لینے، مکان میں رہائش اختیار کرنے اس طرح پھلوں کی وصیت پر عملدر آمد کیسے ہوگا؟

۱۲ - ذمی کے وصایا چار اقسام پر مشتمل ہیں ان اقسام کی تفصیل اور احکام ذکر کریں۔

۱۳ - وصی کے کہتے ہیں اس وصیت کو قبول کرنا ضروری ہے یا نہیں۔ اگر قبول کرکے رد کرے تو کیا حکم ہوگا؟

۱۴ - کافر، غلام، فاسق اور اپنے غلام کو وصی مقرر کرنا کیسا ہے اگر ان میں

سے کسی کو وصی مقرر کر دیا جائے تو اب کیا کرنا ہوگا؟

۱۵ - ایسا وصی جو عاجز ہو اس کا حکم کیا ہے اور اگر دو وصی مقرر کئے ہوں تو کیا وہ الگ الگ تصرف کر سکتے ہیں۔ اگر کر سکتے ہیں تو کن کن اشیاء میں؟

۱۶ - مقاسمت کا کیا مطلب ہے " نیز وصی کا ورثاء کی طرف سے بطور نائب موصی لہ سے مقاسمت کرنا اور موصی لہ کی طرف سے ورثاء سے مقاسمت کرنا کیسا ہے؟

۱۷ - وصی کی خرید و فروخت کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے کیا مطلقاً ناجائز ہے یا کسی شرط کے ساتھ جائز ہے وضاحت سے ذکر کریں۔

۱۸ - دو وصیتوں کی شہادت یا میت کے دو بیٹوں کی کسی شخص کے بارے میں شہادت کہ وہ وصی ہے قابل قبول ہے یا نہیں اگر نہیں تو کس صورت میں اور کیوں؟

۱۹ - دو آدمیوں نے ایک دوسرے کے حق میں گواہی دی کہ میت ان کا مقروض تھا تو یہ گواہی مقبول ہے حالانکہ یہ مقام تہمت ہے قبولیت کی وجہ بیان کریں نیز قبولیت مطلقاً ہے یا اس میں کوئی قید ہو گی؟

معروف مذہبی سکالر اور ادیب مولانا محمد صدیق ہزاروی کے
علمی، تحقیقی مضامین پر مشتمل ایک عظیم
قلمی شاہکار